دارالتصنیف کی بیسویں پیش کش

تاریخ زبان اُردو

یعنی

اردو کی اصل

اور اسکے ارتقا کی تاریخ

مرتبہ

محمد باقر شمس

تاریخِ زبانِ اردو

یعنی

اردو کی اصل اور اُس کے ارتقا کی تاریخ

محمد باقر شمس

مؤلف ——— محمد باقر شمس

خوشنویس ——— عنایت الرحمٰن خاں

تابع ——— ڈیلینٹ پریس کراچی

قیمت ——— بیس روپے

ملنے کا پتہ

دار التصنیف

سی۔ ۳۰ رضویہ سوسائٹی کراچی ۱۸

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۱	۱
۲	دیباچہ		۳
۳	مقدمہ		۴
۴	سورسینی پراکرت		۶
۵	اردو کی ابتدا		۱۲
۶	دہلی میں اردو کا ارتقاء		۱۶
۷	مشاعرے کی ابتدا		۲۶
	شاہ حاتم کی اصلاحیں		۲۴
۸	لکھنؤ میں اردو		۲۶
۹	ناسخ کی اصلاحیں		۳۵
۱۰	دہلی اور لکھنؤ کی زبان کا موازنہ		۴۷
۱۱	رشک کی اصلاحیں		۵۹
۱۲	میر عشق کی اصلاحیں		۶۰
۱۳	رسالہ میر عشق		۶۶
۱۴	جلال کی اصلاحیں		۸۲
۱۵	نقل اجازہ جلال با آرزو		۸۲
۱۶	دستور العمل جلال لکھنوی		۸۳
۱۷	منیر کی اصلاحیں		۸۶
۱۸	خورشید کی اصلاحیں		۸۶
۱۹	جاہ کی اصلاحیں		۹۶
۲۰	کمال کی اصلاحیں		۹۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۲۱	عزیز کی اصلاحیں	۱۰۰
۲۲	محشر کی اصلاحیں	۱۰۰
۲۳	مودب کی اصلاحیں	۱۰۱
۲۴	آرزو کی اصلاحیں	۱۰۷
۲۵	علم تنسیق کلمات کی ایجاد	۱۰۸
۲۶	دائرہ اعتدال زبان	۱۴۷
۲۷	دائرۂ تزئین زبان	۱۴۷
۲۸	دائرۂ توسیع زبان	۱۴۷
۲۹	لکھنؤ کی زبان پر اعتراض	۱۴۹

پیش لفظ

(از جناب حسین انجم صاحب ایم اے - ایڈیٹر طلوع افکار کراچی)

صریر خامہ شمس ادیب نے اب تک
بہت سے معنی خوابیدہ کردیئے بیدار

مولانا محمد باقر شمس برصغیر کے معروف مذہبی خانوادہ خاندان اجتہاد کی علمی و ادبی یادگار ہیں۔ اپنے اسلاف کے برخلاف مولانا نے مسند افتاء کے بجائے اپنی موزونیت و جودت طبع کے لئے نقد شعر و ادب کے میدان کا انتخاب کیا ہے اور گزشتہ نصف صدی سے تاریخ نقد ادب پر متعدد کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں جو ہمعصر صاحبان نقد و نظر سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں مثلاً حضرت علامہ محمد رضی مجتہد صاحب قبلہ نے مولانا کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی کتابوں میں ایسی باتیں آتی رہتی ہیں جن تک کسی مقالہ نگار یا مصنف کی نگاہ نہیں پہنچی"۔ یا ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے مولانا سے اظہار عقیدت کرتے ہوئے لکھا ہے

۔ مولانا سید محمد باقر شمس کی ہستی سے علمی و ادبی طور پر فیض حاصل کرنے والوں میں میں اپنا شمار کر کے فخر کرتا ہوں، موصوف نے جو افسانے تاریخ، علم دینیات اور ادب میں کئے ہیں وہ علمی دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔

مولانا شمس کے نقد ادب کا خاص وصف یہ ہے کہ وہ پیش پا افتادہ باتوں کے بجائے ہمیشہ نئے گوشوں کی جستجو اور نئے زاویوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ زبان کے مزاج داں، معانی بیان

باریکیوں سے واقف، عروض پر قادر اور عربی و فارسی و اردو کی ادبی تاریخ سے کما حقہ واقف ہیں۔ درِ منظوم، فلسفۂ خیام، لکھنؤ کی زبان، لکھنؤ کی تہذیب، لکھنؤ کی شاعری، تاریخ لکھنؤ، شعور و شاعری اور نگارشات رنگ رنگ وغیرہ مولانا کی علمی و ادبی دیدہ وری ژرف نگاہی و نادرہ کاری کی شاہکار ہیں

شمس صاحب کی تحریروں میں زبان و بیان کی لطافت و چاشنی تحقیق و تنقید کا اعلیٰ معیار اور ادائے مطالب کے عالمانہ انداز نے ان کی تصانیف کو کلاسیکی شان عطا کی ہے۔ مولانا کی زیر نظر کتاب میں اردو زبان کے منبع و ماخذ جیسے موضوع جس پر بڑے نامور مصنفین حق تحقیق ادا کر چکے ہیں نئی تحقیق پیش کی گئی ہے۔ انھوں نے بہ دلائل یہ ثابت کیا ہے کہ اردو سورسینی پراکرت کی ترقی یافتہ شکل ہے اور سورسینی پراکرت اور اس کی صرف و نحو کے قاعدے بیان کرکے اپنے دعوے کو مدلل کیا ہے اور اس طرح اب تک اس موضوع پر پیش کئے جانے والے تمام نظریوں کو مسترد کر دیا ہے

مولانا شمس اس وقت اسی بیاسی کے پیٹے میں ہیں لیکن اس کبر سن کے باوصف ان کا حافظہ آج بھی جوانوں کی طرح قوی اور دماغ نئے خیالات قبول کرنے پر تیار ہے، طبیعت میں جولانی اور قلم میں روانی باقی ہے۔ میں مولانا کی صحت و سلامتی کی دعا کے ساتھ لوحِ عبارت کا یہ شعر نذر کرتا ہوں۔

صریرِ خامۂ شمس ادیب نے اشک
ہمنی خوابیدہ کر دیئے بیدار

حسین انجم

۳۰/۷/۱۹۶۹

دیباچہ

اردو کی تاریخیں بہت لکھی گئیں کسی کی تحقیق ہے کہ اردو برج بھاشا سے نکلی ہے کسی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دہلی کے آس پاس کی زبان بانگرو سے نکلی ہے۔ کسی محقق کی رائے میں یہ ہریانی زبان سے نکلی ہے کوئی اسے میرٹھ کے آس پاس کی زبان بتاتا ہے اور کوئی لشکری زبان کہتا ہے۔

میں بہت غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سورسینی پراکرت ہے جو ہندوستان کے بہت بڑے علاقہ میں بولی جاتی تھی اور ہر علاقہ کی نسبت سے اس کا الگ نام تھا دہلی کے آس پاس کی زبان بانگرو تھی برج یعنی متھرا کے علاقہ میں برج بھاشا بندیل کھنڈ میں بندیلی اور اودھ میں اودھی مگدھ یعنی بہار میں ماگدھی کہی جاتی تھی۔

ان مقامات کی بولیوں میں کچھ مقامی محاورے داخل ہو گئے تھے اور کچھ کا لہجے کے تغیر سے الفاظ کا تلفظ بدل گیا تھا۔ اصل زبان ایک ہی تھی جس کے بنیادی الفاظ ان تمام زبانوں میں آج بھی موجود ہیں جو اصل زبان کے مطالعہ سے معلوم ہوں گے جسے ہم آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ لسانیات کا یہ خیال صحیح ہے کہ اردو اپ بھرنش سے نکلی ہے جو شمالی ہند کے پورے علاقہ کی زبان تھی مگر وہ سورسینی پراکرت ہی کی کچھ متغیر شکل تھی جس میں سورسینی پراکرت کے تمام بنیادی الفاظ موجود ہیں۔ اردو کی اصل سورسینی پراکرت ہی کو سمجھنا زیادہ صحیح ہے۔

ذرہ ناچیز:- شمس

۱۵ر جون سنہ ۱۹۹۱ء

مقدمہ

سورسینی پراکرت ہو یا اپ بھرنش یہ تصریفی زبان ہے ایسی تمام زبانیں اسم - فعل اور حرف سے مرکب ہوتی ہیں -

اصطلاح صرف میں حرف اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے معنی مستقل نہیں ہوتے نہ اس میں کوئی زمانہ پایا جاتا ہے وہ اسم کو اسم سے فعل کو فعل سے اور اسم کو فعل سے جوڑکے فقرے بناتا ہے -

سورسینی پراکرت کے حروف یہ ہیں :-

حروف جار :- سے - تک - تلک - میں - مانھ - کو - پر - اوپر - اوپڑ نیچے تلے - بیچ - اُوڑ (بروزن شور)

حروف اضافت :- کا - کی - کے

حروف عطف :- اور

حروف تشبہ :- سا - سی - ایسا ایسی - جیسا جیسی - تب - تیسی

حروف استفہام :- کا - کو - کون - کہاں - کب کیدھر - کہر -

حروف جزا :- جون

حروف ندا :- اے - ہے

حروف ایجاب - ہاں - ہوں -

حروف نفی :- ن - نہ - ناہیں - نہیں - مت ہے - آکہے

حروف شرط :-

حروف اشارہ بعید کے اوہ - وہ قریب کے یہ - ایہہ - ایہاں اوہاں

ضمیریں

متکلم کے لئے ہم واحد اور جمع کے لئے ہمیں

حاضر - آپ تم - توں - تمن -

ضمیر غائب :- او - اس - اوہ - اُن - ئس - جمع کے لیے اِن

ترکیبیں

نون سے جمع :- جیسے ہاتھ سے ہاتھن۔ مکھ سے مکھن کبھی ے بڑھا دیتے ہیں جیسے آنکھ سے انکھیَن کبھی واؤ پر زیر لگا کے جمع بناتے ہیں جیسے گھوڑوں سے گھوڑون

ہ اور نون بڑھا دیتے ہیں جیسے سب سے سبھن۔

نون سے فعل ماضی :- کردیں۔ بھردیں۔

ب سے مصدر :- آوب جاب

ت سے :- فعل حال کہت سنت کبھی ہیں لگا دیتے ہیں جیسے ملت ہیں یعنی ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ بہت سے حروف ہیں :- جیسے کچھ۔ بہت۔ تب۔ سبھی اب۔ سب۔ جب۔ سارا۔ ساری۔ بھی۔ بھر۔ سبھئے۔ تہی۔ تہا (وہی)

ان سب کا استعمال آپ کو سوریٹی پراکرت اشعار سے ہم بتائیں گے

فقط۔

ذرہ ناچیز

شمس

۱۵ جون ۱۹۹۱ء

سورسینی پراکرت

ہندی کے تمام شعراء ملک محمد - تلسی داس - سورداس - بہاری رحمن (عبد الرحیم خانخاناں) مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے مگر زبان سب کی ایک ہے ملک محمد کہتے ہیں ؎

پی سے کہیو سندیسڑا ہے بھونرا ہے کاگ سو دہنی برہے جری تہی کا دھواں ہم لاگ
(شوہر سے کہنا پیام اے بھونرے اے کوے بیوی جدائی میں جل گئی اسی کا دھواں ہم کو لگا)

اے بھونرے اور اے کوے شوہر سے کہنا کہ بیوی جدائی میں جل گئی اسی کا دھواں ہم کو لگا ہے -

ہاڑ بھئے سب کانکوڑی نسیں بھئیں سب تانت روں روں سے دھنی اٹھے کہو برہ کی بات
(ہڈیاں ہوئیں کل کنکری رگیں ہوئیں کل تانت رونگٹے رونگٹے سے راگ اٹھ رہی ہے جدائی کی بات کیا کہوں میں)

نینن جیتوں مرگ کے نیناں کنٹھ جیتوں کوئل کے بینا

آنکھوں نے ہرن کی آنکھ کو جیت لیا - گلے نے کوئل کی آواز کو جیت لیا - (بین)

آنکھوں نے ہرن کی آنکھوں کو اور گلے نے کوئل کی آواز کو مات کر دیا -

تلسی داس کہیں گئے تھے ان کے سالے آکے اپنی بہن کو لے گئے - جب وہ گھر پر آئے تو معلوم ہوا وہ بھی سسرال پہنچ گئے - بیوی بہت شرمائی اور موقع سے آڑ میں بلا کے کہا ؎

لاج نہ لاگت آپ کو دورے آیہو ساتھ دھک دھک ایسے پریم کو کا کہوں میں ناتھ
(شرم نہیں لگتی ہے آپ کو دوڑ کے آئے ہو ساتھ نفریں ایسی محبت کو کیا کہوں مالک)

آپ کو شرم نہیں لگتی دوڑے ساتھ چلے آئے - نفریں ایسی محبت پر میں آپ کو کیا کہوں اے مالک -

تلسی داس کہتے ہیں ۔

آپ آپ کو سب بھلو اپنے کیو کوی ۔ تلسی سب کو جو بھلو سبھن سراہے سوئی

اپنے اپنے واسطے کل بھلے ۔ سب کے لیئے اچھا جو لوگ سراہتے ہیں اسی کو

اپنے اپنے لیئے تو سب اچھے ہوتے ہیں جو سب کے لیئے اچھا ہے اسی کی سب تعریف کرتے ہیں ۔

خان خاناں کہتے ہیں ؎

رحمن دھاگا پریم کا تن توڑو چھٹکائے ، توڑے تے جڑے ناہیں جوڑے تے گانٹھ پڑجائے

رحیم محبت کا تاگا جھٹکا دے کے نہ توڑو ، توڑنے کے بعد جڑتا نہیں اور جوڑنے سے گرہ پڑ جاتی ہے ۔

ایک برہمن نے اپنی لڑکی کی شادی میں خانخاناں سے اعانت کی سفارش چاہی تلسی داس نے اس کو یہ مصرع لکھکر خانخاناں کے پاس بھیجا ۔

ع ۔ سرتیھ نرتیھ نگتیھ یہ چاہت سب کوئے ۔

آسمان والے زمین والے لڑکی کی شادی کرنا سب چاہتے ہیں ۔

خانخاناں نے ایک لاکھ روپیہ اس کو دیا اور یہ مصرع لگایا ۔ ع

گود مال لے ہلسی پھرے تلسی ساست ہوئے ۔

گود میں لے کے خوش خوش پھرے تلسی سا لڑکا ہو

مطلب یہ ہے کہ زمین آسمان والے سب چاہتے ہیں کہ لڑکی کی شادی کریں اور تلسی سا بیٹا گود میں لیے خوش خوش پھرے ۔

ہلسی کے معنی خوشی اور خوش خوش کے ہیں ۔ تلسی داس کی ماں کا نام بھی ہلسی تھا ۔ یہاں ہلسی کے لفظ نے جان ڈال دی ۔

خانخاناں کہتے ہیں ؎

رحمن بگری بات بنے ناہیں لاکھو گن کرے کوئی   بگرے دودھ کے متھے ماکھن نا ہوئے

بگڑی بات بنتی نہیں لاکھ تدبیر کرے کوئی   بگڑے دودھ کے متھنے سے مکھن نہیں ہوتا

بگڑی بات بنتی نہیں لاکھ کوئی تدبیر کرے۔ بگڑے دودھ کے متھنے سے مکھن نہیں نکلتا

کھیرا کے منہ کاٹ کے ملت لون لگائے   رحمن کڑوے مکھن کو چہیئے یہی سزائے

کھیرے کا منہ کاٹ کے ملتے ہیں نمک لگا   رحیم کڑوے مکھون کو چاہیئے یہی سزا

کھیرے کا منہ کاٹ کے نمک ملتے ہیں۔ کڑوے منہ والوں کو بھی یہی سزا ملنا چاہیئے

اسی زمانے کا شعر ہے

کنک لتا سی نار ہے کت کاہے تے ہین   کت کا کنچن اینچ کے کچن ماں بھر دیں

سو معشوق سونے کے درخت سرو کی طرح ہے۔ مگر کیوں اتنی پتلی ہے

معشوقہ سونے کا سرو ہے لیکن اس کی کمر اتنی پتلی کیوں ہے۔ کمر کا سونا کھینچ کے اسکی چھاتیوں میں بھر دیا ہے — ان اشعار کے چند فقرے اور لفظیں ملاحظہ ہوں

ہے بھونرا ہم لاگ نسیں بھینٹیں سب بنائے   بر ہے جری یہ جاہت سب کو سے

ہلسی بھرے مرگ کے نیناں دھنی اٹھے   لاج نہ لاگت آپ کو آپ آپ کو سب بھلوائے

؎ اگر ہم سندھ اور پنجاب کے لیئے مگدھ (بہار) تک کی ایک زبان مان لیں تو زیادہ معقول بات ہوگی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اصل سب کی تقریباً ایک ہی ہے جو فرق ہے وہ مقامی لہجہ سے پیدا ہوا ہے مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جب اردو بن رہی تھی اس وقت پنجابی شمالی ہندی زبان سے مختلف تھی اس لئے اس کو الگ زبان سمجھنا چاہیئے چاہے وہ آگے چل کر کسی زمانے میں ایک ہی کیوں نہ رہی ہو۔ سندھی میں آج ہے تعلقو کتاب آج بھی موجود ہے

جن تور دجھکائے۔ تورے توجرے نا ہیں۔ تلسی سا ست۔ لاکھ گن کرے کوئی جیسے ہی سزائے۔

بگری بات بنے نا ہیں۔ کھیرا کے منھ۔ ملت لون لگائیے۔ کنک لتا سی نار ہے۔ اینچ کے۔ کجن مانہہ بھر دیں۔ اس کے بنیادی اور تعمیری الفاظ حسب ذیل ہیں۔

مادے کر۔ سن۔ اٹھ۔ بیٹھ۔ لکھ۔ پڑھ۔

علامت مصدر۔ ن اور ب۔ رہن سہن اور اوب جاب۔

علامت مضارع "ے" کرے معنے یعنی کرے (کرتا ہے یا کرے گا۔ مذکر اور مونث میں کوئی فرق نہیں۔

ماضی مطلق :۔ ئس (ہمزہ اور سین) واغائب کے لیئے ت۔ نون اور ہمزہ جمع غائب کے لیئے

یو (ی و) واحد حاضر کے لیئے "وا" جمع متکلم کے لیئے

کھائس۔ کھائن۔ کھائیو۔ کھاوا

اس نے کھایا۔ ان لوگوں نے کھایا۔ تم نے کھایا۔ ہم نے کھایا } مذکر اور مونث میں کوئی فرق نہیں

اودھی میں اس کی ایک صورت یہ بھی ہے :۔

کروہس۔ کروہن۔ کروہیو۔ کروہا

اس نے کر دیا۔ ان لوگوں نے کر دیا۔ تم نے کر دیا۔ ہم نے کر دیا } مذکر و مونث میں کوئی فرق نہیں

فعل حال :۔ ت ملت سے ملے } مذکر، مونث، حاضر۔ غائب۔ اور متکلم ملتے ہیں } میں کوئی فرق نہیں

حرف "ے" بہت سے معنی دیتی ہے۔

دھنی اٹھے جھٹکائے بر ہے

دھنی (دھن راگ) - اٹھے (اٹھ رہی ہے - جھٹکائے (جھٹکا دیکر)
بوہے (برہ جدائی برہے جدائی میں جدائی سے)
ضمیریں - ان - تم - تیئں - توں - آپ ہم - و (کرد) دن (کردن)
ضمیر

حرف اشارہ :- اس - اُس - ایہہ - اوتہہ - یہہ
حرف استفہام کوَن کیسن کیسا - کہاں - کا - کو - کدھ
حروف جار :- وامین - یامن - ماہنہ - میں - تک - سے - حرف ندا ہے
علامت اضافت :- کا - کی - کے - کو اسم موصول :- جو جون
حرف تشبیہ :- سا - سی - ایسا ویسا کل کے لئے - سب
جمع بنانے کا قاعدہ :- ین (ی ن) آدمی سے "آدمین" ون سے گھوڑون
نون سے عورتن - مردن -
حرف نفی :- نہیں - ناہیں - نا - مت - جن
سابقے :- ن - نسوت - نڈر - نڈھال - نگوڑا - نموسا یس :-
ان :- ان مل - ان جان - انمول - ان کھتا -
لاحقے :- واری - پھلواڑی - بیواڑی -
اسم کے آخر میں اگر الف ہو تو اس کو منادی اور مضاف الیہ کرنے
میں کوئی تغیر نہیں ہوتا جیسے ہے بھوزا پھرا کے منھ "(گے بروزن شے)
شمالی ہند کی وہ تمام زبانیں جو الگ الگ نام سے پکاری جاتی ہیں یہی ہے
آج بھی جس حد تک یہ زبان مختلف علاقوں میں باقی ہے اس میں
جغرافیائی اثر کے علاوہ کوئی فرق نہیں - اودھ میں جن اسماء و افعال کے آخر
میں الف ہوتا ہے برج کے علاقہ میں اسے واؤ سے بدل دیتے ہیں جیسے

گھوڑا بڑا ٹیڑھا ہے گھوڑو بڑو ٹیڑھو

ایک چوپائی میں شطرنج کے ایک مہرے کی یہ چال بیان کی ہے "بڑھو ٹیڑھو جائے" یعنی ٹیڑھا ٹیڑھا جاتا ہے۔

اُت ہے۔ آتے ہے۔ آوت ہے۔ آت آیئے۔ ایک ہی لفظ کے مختلف تلفظ ہیں جن میں زبان کی اصلیت اور علاقائی خصوصیت محفوظ ہے۔

اردو کی ابتدا

پانچویں صدی ہجری میں پرتھوی راج کے بعد مسلمان بادشاہوں نے جب دہلی کو اپنا مستقر بنایا اس وقت سے اسکی پرانی عظمت اور قدیم تمدن ختم ہو گیا۔ اس کی حیثیت ایک فوجی چھاؤنی کی ہو گئی جہاں مختلف جگہ کے سپاہی جمع تھے اس وجہ سے مختلف زبانوں کے بنیادی اور تعمیری الفاظ بھی وہاں کی زبان میں داخل ہو گئے۔

پنجابی سے :۔ علامت مصدر "نا" آئی اور ہندی کے تمام مادے اس سے مصدر بنائے جانے لگے جیسے آؤنا۔ جاؤنا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ حال کے لیے "ہے" اور "تا ہے" لیا گیا اور اس سے آئے ہے۔ اور آؤتا ہے بنایا گیا۔ مستقبل کے لیے "ے گا" آئے گا، جائے گا۔

الف نون سے جمع بنانا۔ عورت سے عورتان اور اس کے لیے فعل بھی جمع لانا جیسے عورتاں آئیاں۔ ماضی مطلق کے تمام صیغے پنجابی کے ذرا سے تغیر سے اردو میں آئے۔

اوہ آیا۔ اوہ آئے۔ توں آیا۔ تسی آئے۔ میں آیا۔ اسی آئے۔ اوہ آئی اوہ آئیاں۔ توں آئیاں۔ تسی آئیاں۔ ماضی مطلق کے تمام صیغے پنجابی کے ذرا سے تغیر سے اردو میں آئے۔

اوہ آیا۔ اوہ آئے۔ توں آیا۔ تسی آئے۔ میں آیا۔ اسی آئے۔ اوہ آئی۔ اوہ آئیاں۔ توں آئیاں۔ تسی آئیاں۔ میں آئی۔ اردو میں اوہ سے الف توں سے نون ساقط ہو گیا۔ تسی تم اسی ہم سے بدل گیا۔ باقی سب وہی رہا۔

عربی کی علامت اضافت کسرہ اور واو عطف ہندی الفاظ کے ساتھ لگایا جانے لگا جیسے کیوہ مرصع جھوکدرشن جھینٹ قلمکار رات ودن ناچ دگانا

حرف ندا :۔ اے حرف استفہام۔ کجا۔ حرف تمنا۔ کاش

حرف شک۔ شاید۔ حرف بیانیہ۔ کہ۔ چونکہ۔ چنانچہ۔ چنداں کہ۔ ہر چند۔

حرف شرط۔ از۔ اگر۔ حرف جر۔ تا۔

فارسی :۔ کا "بے" ہندی کے تمام الفاظ کے ساتھ لگایا گیا جیسے بے جڑ

بے ڈھب۔ بے میل۔ بے ہاتھ۔ بے پاؤں۔ بے لاگ

لاحقہ :۔ دان سے پاندان۔ ناگردان وغیرہ۔ حرف استعجالیہ :۔ دفعتاً فوراً

یائے نسبتی :۔ لکھنوی۔ دہلوی۔ پنجابی وغیرہ۔ حرف مقداری۔ کم۔ زیادہ۔ قلیل

کثیر۔

عربی مادے :۔ بدل۔ قبول۔ تجویز۔ بحث ہے سے بدلنا۔ قبولنا۔ تجویزنا

حرف استثنار۔ اِلّا۔ حرف عطف :۔ واؤ حرف تاکید :۔

یقیناً۔ حتماً

حرف بیانیہ :۔ حتیٰ۔ لیک۔ لیکن۔ لاکن۔ لہذا۔ حرف ندبہ :۔ اف

حرف جر :۔ حتیٰ۔ حرف تشبیہ :۔ مثل۔

جب بنیادی اور تعمیری الفاظ اس کثرت سے مختلف زبانوں کے آ گئے تو دخیل الفاظ اس سے پہلے بہت سے آچکے تھے۔ اب کتنا اضافہ ہوا اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اس طرح یہ ایک نئی زبان بن گئی اور فوجی چھاؤنی میں بننے کی وجہ سے اردو کی زبان کہی جاتی تھی۔ مختلف زبانوں کے الفاظ اس میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس لئے اس کا نام ریختہ تھا۔ اصل اس کی سورسینی یعنی ہندی زبان تھی۔ اس لئے اس کو ہندی بھی کہتے ہیں۔ ایک مخلوط زبان ہونے کی وجہ سے ہندو مسلمان سب کے لئے پسندیدہ اور آسان تھی۔ ایک بڑی آسانی اس میں یہ تھی کہ ہر زبان کے الفاظ

اس میں ملا کے بولنے میں کوئی روک نہ تھی اس سبب سے آندھی کی طرح پھیلتی چلی گئی۔ یہ خصوصیت اسکے رواج پانے کی آج بھی ہے۔ دنیا کے ہر حصے میں اسکے بولنے والے پائے جاتے ہیں۔ اس وقت کے سلاطین کو نبرد آزمائی سے فرصت نہ تھی جس سے دہلی کی فوجی چھاؤنی کو بہت ترقی ہوئی۔ اس کے ساتھ یہ زبان بھی مستحکم ہوگئی۔

۶۰۳ھ (۱۲۱۱ء) میں قطب الدین ایبک دہلی کے تخت پر بیٹھا اس وقت سے اہل علم و فن بھی وہاں پہنچنے لگے۔ ۶۰۸ھ (۱۲۱۱ء) میں شمس الدین التمش کے زمانے میں بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) میں غیاث الدین بلبن کے دور میں دہلی بغداد کا جواب تھی۔ ۶۹۲ھ (۱۲۹۵ء) میں علاؤ الدین خلجی کے عہد میں[۱] ضیائے برنی کا دعویٰ ہے کہ

۱؎ اسی زمانہ میں گجرات فتح ہوا۔ فوج کے ساتھ وہاں بھی یہ زبان گئی اور نظم و نثر کی ابتدا ہوئی دکن بھی اسی دور میں فتح ہوکر دہلی سے متعلق ہوگیا۔ وہاں بھی یہ زبان پہنچ گئی۔ علماء اور شعراء بھی گئے۔ دکن کے پہلے شاعر خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ہیں جو ۸۱۵ھ میں دہلی سے دکن گئے اور ۸۲۵ھ میں وہیں انتقال کیا۔ انھوں نے نظم و نثر میں بہت کچھ چھوڑا[۱] وہ دکن کی طرف منسوب ہے حالانکہ صرف دس برس وہاں رہے۔ وہ سارا سرمایہ صرف اسی دس برس کا نہیں ہوسکتا اس لئے اسے دکنی ادب میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ ان کے بعد کے شعراء و مصنفین نے جو لکھا وہ دہلی کی زبان میں لکھا۔ دکن تامل اور تلیگو کا علاقہ ہے اسے اردو سے کیا نسبت البتہ دکنی الفاظ کا اس میں آجانا فطری تھا۔

ــــــــہ میں تغلق نے دہلی کی آبادی کو دیوگری منتقل ہونے کا حکم دیا اور دہلی اس طرح خالی ہوگئی کہ سوا جانوروں کے اور کسی کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ دہلی میں دکن کی زبان بولی جاتی تھی

۱۰۴۵ھ (۱۷۳۵ء) میں اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار ہوا اور تیس سال تک پورے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دہلی میں ایسے علماء تھے جن کا مثل ربع مسکوں میں نہ تھا۔ اسی دہلی کے متعلق امیر خسرو نے کہا تھا ؎

حضرت دہلی کنف عدل رواد   جنت عدن است کہ آباد باد

جنت عدن کے ٹکڑے سے اس زمانہ کی تمدنی بلندی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ زبان اب صرف مرنے مارنے والے اکھڑ سپاہیوں کی نہیں رہی بلکہ علماء اور روساء اور دربار بھی یہی زبان بولتے تھے۔

پورے خدم و حشم کے ساتھ وہاں رہا کہ دکن کے اکثر شہر شمالی ہند کے شہر معلوم ہونے لگے اپنی شاہی میں دو سال تک دکن کا محاصرہ کئے رہا اسی طرح پچیس سال تک اور خلجی کا زمانہ بھی شامل کر لیا جائے تو اورنگزیب تک تقریباً چار سو سال تک دکن میں دہلی کی زبان بولی جاتی رہی۔ شمس اللہ قادری نے اردوئے قدیم میں تسلیم کیا ہے کہ اردو شمالی ہند سے دکن میں آئی تھی۔ یہی صورت گجراتی یا گجری کی ہے یہ قطعاً صحیح نہیں ہے کہ دکن سے اردو نظم و نثر کی ابتدا ہوئی اور وہاں کی نظم کو دیکھ کر شمالی ہند میں شاعری شروع ہوئی بلکہ اس کا الٹا ہے۔

دہلی میں اردو کا ارتقا

اہل دہلی کا ذوق لطافت و نفاست کا معیار تھا۔ انھوں نے اپنے تلفظ کو عوام سے ممتاز کیا۔ اور زبان میں فصاحت پیدا کی۔

ہندی کے حرف استفہام کَوَن کو کَوْن کر دیا یعنی کو' اور ؤ کے زبر کو سکون سے بدل دیا

اسم موصول:۔ جوَن کو جوْن کہنے لگے۔ حرف جر اَوُر کے واو کو ساکن کر دیا۔

جمع بنانے میں واو کے فتحہ کو سکون سے بدل دیا گھوڑوں سے گھوڑوں علامت اضافت کے بر وزن طے کو ترک کر دیا۔

ہندی کے حرف ندا ہے کو فارسی کے اے سے بدل دیا اور الف کے زبر کو زیر کر دیا۔

ہندی میں اسم کے آخر میں اگر الف ہو تو اس کو مضاف الیہ یا منادی کرتے وقت اسکی اصلی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ جیسے کھیرا کے منہ سے بھونرا اب کھیرے اور اے بھونرے ہو گیا۔

ہندی کے حرف استفہام کس اور اشارہ اس میں طرح لگا کے کس طرح اس طرح بولنے لگے۔

ضمیر واحد حاضر تون سے نون حذف کر دیا۔

ہندی کے تم اور آپ میں کوئی فرق مراتب نہ تھا۔ اپنا میں اب بھی نہیں ہے۔ اب تم اور آپ میں فرق مراتب پیدا ہوا اور مخاطب کے لیئے تین ضمیریں ہو گئیں اور ان میں جو فرق مراتب ہے وہ دنیا کی کسی زبان میں

اتنی ضمیروں کے ساتھ ادا نہیں کیا جاتا۔

ہندی کی علامت مصدر "ب" کو ترک کر کے پنجابی کی علامت مصدر "نا" اختیار کی اور ہندی کے تمام مادوں میں نا لگا کے مصدر بنالیا مگر فارسی کے لیئے یہ عمومیت نہیں مثلاً خفت۔ سفت۔ آرام۔ دید۔ رفت۔ خسپ۔ خورنوش وغیرہ مصدر نہیں بنتے۔ صرف شرمانا۔ پرمانا۔ گرمانا۔ غرانا۔ رنگنا۔ تراشنا۔ خریدنا۔ داغنا۔ لرزنا۔ نوازنا۔ گزرنا۔ تڑقنا۔ بخشنا۔ مصدر بنایا گیا۔

عربی سے بدلنا۔ قبولنا۔ تجویزنا مصدر بنا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا انحصار ذوق سلیم پر ہے جو لوگ برتانا یا قومیانا لکھتے یا بولتے ہیں وہ صحیح نہیں سماعی پر قیاس نہیں ہوتا۔

بہت سے لفظوں میں تغیر ہوا۔ وا میں یا میں۔ اُس میں اُسی میں ہوگیا شادباش :۔ شاباش اور شابش ہوگیا۔ تماشا۔ کھیل کے معنوں میں بولا جانے لگا۔ سیر :۔ تفریح ہوگیا۔

فارسی میں ہم آواز کے حرف صاد کو بھی کہتے ہیں اور پچ لڑائی کو اس سے ہم پچ بنا اور دونوں معنی محفوظ رہے۔

چشم چراغ۔ چشم و چراغ ہوگیا اور معنی خاندان کا نام روشن کرنے والا آدمی۔

وہ کلمہ تحسین واہ ہوگیا۔ دبنگ فارسی میں پست فطرت آدمی کو کہتے ہیں۔ اردو میں رعب دار آدمی کے معنوں میں بولا جانے لگا۔

زبان اتنی ترقی کرنے کے بعد شعر سے کب خالی رہ سکتی تھی جب اس زمانے میں امیر خسرو ایسا ذہین شخص موجود تھا جس نے دو ملکوں

کے راگوں سے ایک نئی موسیقی ایجاد کر دی۔ فارسی کے تمام اصناف شاعری میں وہ داد سخن دی کہ ایران میں بھی کوئی شاعر اس کا مقابل نہ رہا۔

یہ ممکن نہیں کہ جو زبان وہ بولتے تھے اس میں شعر نہ کہتے ہوں۔ تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ (تصنیف سنہ ۱۰۲۴ھ) میں لکھا ہے کہ ان کا ہندی کلام فارسی سے بہت زیادہ ہے۔ اسپرنگر نے شاہان اودھ کے کتب خانہ میں ان کے دو مجموعے دیکھے تھے اور ان سے کچھ چیستان نقل کئے تھے

اس سے اس وقت کی زبان اور شعر گوئی کا رواج و معیار بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ حمد میں ایک چیستان ہے ؎

سب کوئی اس کو جانے ہے پر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دھڑی میں دیکھا ہے فکر کیا ان دیکھا ہے

بابر کے زمانے میں مولانا جمالی اردو کے شاعر تھے۔

ہمایوں کے عہد میں مولانا نوری اردو میں شعر کہتے تھے۔ ایک شعر ان کا تذکروں میں بھی ملتا ہے ؎

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

اکبر کے عہد میں مولانا سعد الدین سعدی لکھنؤ میں ایک صاحب حال بزرگ اردو کے زبردست شاعر تھے۔ یہ غزل ان کی تذکروں میں موجود ہے جس کا مقطع یہ ہے ؎

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

سنہ ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۸ء) میں دہلی مغل اعظم کا پایۂ تخت اور اہل کمال کا مسکن بنی اردو عام بول چال کی زبان تھی۔ خط و کتابت بھی اس میں ہونے لگی۔

تاریخ میں شاہجہاں کے بھی ایک اردو خط کا ذکر ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف شاہجہاں نے اردو میں خط لکھا ہو اور ایک ہی لکھا ہو۔ اس سے اردو میں خط و کتابت کے عام رواج کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ذاتی اور گھریلو قسم کے خطوط عام بول چال کی زبان میں نہ لکھے جاتے ہوں۔ اسی زمانہ کا ایک شاعر چندر بھان برہمن فارسی کا انشا پرداز اردو میں بھی شعر کہتا تھا اس کی غزل کا ایک شعر ہے

خدا جانے یہ کس شہر اندر ہمن کو لا کے ڈالا ہے
نہ دلبر ہے نہ شیشہ ہے نہ ساقی ہے نہ پیالا ہے

اورنگ زیب کے زمانہ میں ملا عبدالواسع ہانسوی نے اردو کی ایک لغت (غرائب اللغات) لکھی

اسی زمانہ میں ۱۰۸۱ھ ۱۶۷۱ء میں مرزا معز الدین موسوی خان فطرت ہندوستان آئے اور عالمگیری امرا میں داخل ہوئے ۱۱۰۱ھ میں ان کا انتقال ہوا وہ اردو میں بھی شعر کہنے لگے تھے۔ تذکروں میں ان کا یہ شعر ملتا ہے

ز زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت اردو شاعری کا اتنا چرچا تھا کہ ایک ایرانی شاعر یہاں آ گئے اردو میں شعر کہے بغیر نہ رہ سکا۔

مرزا عبدالقادر بیدل بھی دہلی میں موجود تھے اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ اس وقت ولی سے کوئی واقف نہ تھا۔ موسوی خان فطرت کے انتقال کے دس برس بعد ولی دہلی آئے اور شیخ سعداللہ گلشن کے مرید ہوئے۔ اس وقت یہاں شاعری کا چرچا عام تھا۔ ولی نے اپنا کلام سنایا تو شیخ نے انھیں دہلی کی زبان میں شعر کہنے کا مشورہ دیا جس کے معنی یہ ہیں کہ دہلی کی زبان معیاری بن چکی تھی اور اس کے مقابلے ولی کی شاعری بقول میر شاعر ع

ایک چیز لچر سی بزبان دکنی تھی

ولی اور ان کے کلام کی دہلی میں کوئی قدر نہ ہوئی وہ دکن واپس چلے گئے مگر شیخ کی نصیحت گرہ میں باندھتے گئے اور دہلی کی زبان میں شعر کہنا شروع کیا ۱۱۳۲ھ میں بائیس برس کے بعد جب ان کا دوبارہ کلام دہلی میں آیا تو وہ بہت صاف تھا اس میں ایسے شعر بھی تھے ؎

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے

اردو میں دیوان دیکھ کے ایک نیا شوق پیدا ہوا۔ اب تک صرف تفنن کے طور پر شعر کہے جاتے تھے اب لوگوں نے مستقل طور پر اسے اپنا فن بنالیا۔

مشاعرے کی ابتدا | خان آرزو نے سرپرستی کی مشاعرے قائم کئے کلام پر اصلاحیں دیں۔ اور غرائب اللغات پر نظر ثانی کر کے نوادر الالفاظ نام رکھا۔

اس میں انھوں نے ملا عبدالواسع پر تنقید بھی کی ہے بعض لفظوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دیہاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ زبان اتنی ترقی کر چکی تھی کہ دیہاتی اور شہری زبان میں فرق پیدا ہو گیا تھا یہ بھی دہلی کی زبان کے معیاری و مستند ہونے کا ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ اس میں وسعت بھی پیدا ہو گئی تھی مختلف زبانوں کی بے شمار لفظیں اپنے معنی بدل کے اردو میں داخل ہو چکی تھیں۔ کچھ لفظیں اگلے صفحے پر ملاحظہ کیجئے۔

لفظ	اصلی معنی	نئے معنی	لفظ	اصلی معنی	نئے معنی
مہتر	بزرگ	خاکروب	الم نشرح	کیا ہم نے نہیں کھول دیا	مشہور
منت	احسان	خوشامد	اوقات	وقت کی جمع	حیثیت
راشی	رشوت دینے والا	رشوت لینے والا	وقعت	جنگ وجدل	عزت
علّت	بیماری	علت ابنہ	قارورہ	شیشہ	پیشاب
کلال	کسل عربی کمہار فارسی	شراب فروش	غریب	مسافر	مفلس
سیر	جانا	تفریح	غربت	مسافرت	مفلسی
رائج	رواج دینے والا	رواج چلنے والا	فقط	بس ختم کیا میں نے	صرف اور محض

بہت سے لفظوں میں حرف کا تغیر ہوا

مہنم - مہتمم - تابہ - توا - پاتیلا - پتیلا - پارسنگ - پاسنگ - پالودہ فالودہ - احاطہ - ہاتا - اخنف - اخ تھو - خشامن وخشتامن - خوشدامن توشک خانہ - توشی خانہ - پوخت - پخت -

ہندوستانی زبانوں کے الفاظ میں بھی یہی تصرف ہوا - سنسکرت میں کایاکلپ انقلاب جسمانی کو کہتے ہیں - کایا پلٹ انقلاب کے معنوں میں بولا جانے لگا - رنتر (میدان جنگ) رن - کوٹ وال - کوتوال - برہمنتر - برہمن بہمن - ملاپ - ملاف - دھدھکنا - دہکنا - کنوج - قنوج - بیواہ - بیاہ - سندھی کا سائیں - فقیر ہوگیا - تامل کا یات پتہ بن گیا -

دو لفظوں کی ترکیب سے ۔ یا قسمت ۔ یا وحشت ۔ یا نصیب ۔

صف ماتم ۔ جمعدار ۔ چوبدار ۔ فوجدار ۔

نئی لفظیں ۔ لاش ۔ لاشہ ۔ اسکی اضافت بھی فارسی سے کی جاتی ہے اور جمع بھی فارسی قاعدے سے بنائی جاتی ہے جیسے لاشہ حُر ۔ لاشہائے شہداء ۔

بہت سے نئے لفظ اور نئے محاورے پیدا ہو گئے ۔ جیسے الّلے تلّلے ۔ الٹے گھلے ۔ ان بن ۔ انجر پنجر ۔ اخر بخر ۔ الم ٹلم ۔ آڑ بھانس ۔ الماغو چی آپا دھاپی ۔ اناپ شناپ ۔ اول نول ۔ آئیں بائیں شائیں ۔ بھائیں بھائیں ۔ سائیں سائیں ۔ کائیں کائیں ۔ چائیں چائیں ۔ جھائیں جھائیں ۔ ہائیں ہائیں ۔ بڑ بڑ ۔ بھن بھن ۔ بڑا بول ۔ بڑ بولا ۔ پخارہ ۔ بھبھاتا ۔ تن بھن ۔ تو تھمبو ۔ تڑاق پڑاق ۔ تابڑ توڑ ۔ تلے اوپر ۔ اوپر تلے جھلا بور جھکجھور ۔ جھٹ پٹ ۔ کھٹ پٹ ۔ چکنا چور ۔ چٹاخ پٹاخ ۔ جھینا جھپٹی دھوم دھام ۔ دھونس ۔ دھڑ کا ۔ دھینگا مشتی ۔ سانٹھ گانٹھ ۔ شور بور ۔ کھونسم گھاسا ۔ ٹھونسم ٹھانس ۔ لشتم پشتم ۔ لہولہان ۔ لہلوٹ لٹھم لٹھم ۔ گتھم گتھا ۔ گدم پچنا ۔

بہت سی نئی کہاوتیں بن گئیں ۔

آم کے آم گٹھلیوں کے دام ۔ بسنت کی خبر نہیں ۔ بھاڑ جھونک کے ہاتھ کالے کا کالا ۔ نہ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے ۔ ساون کے اندھے کو ہرا ہرا سوجھتا ہے ۔ دن عید رات شب برات ۔ نادر گردی گئے تھے روزے کو گلے پڑی نماز ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ۔ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیں گے ۔ رستم کی دھاک مارتی ہے ۔ حاتم کی قبر پر لات مارنا ۔ رام رام جپنا

برا پایا حال اپنا۔ دل میں جلی جلی منھ پر علی علی۔ رام کہانی۔ ڈھاک کے تین پات۔ رحمن جوڑیں پلی پلی شیطان لنڈھائے کپا۔

بہت سے نئے محاورے پیدا ہو گئے۔ کچھ ہندی سے آئے۔

بینگ بڑھانا۔ منھ میں صندل لگنا۔ تسبیح پڑھنا۔ مالا جپنا۔ بیڑا اٹھانا۔ پاپڑ بیلنا۔ ستی ہونا۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا۔ مین میخ نکالنا۔ دال گلنا۔ کلھیا میں گڑ پھوڑنا۔ نیل کا ماٹھ بگڑنا۔ صلواتیں سنانا۔

کچھ محاورے خاص قلعہ معلیٰ میں بولے جاتے تھے جیسے

مردہا۔ آدمی کو بادشاہ کے سامنے لانے والا اور مہتم جریب۔ خاصہ تراش (بادشاہی حجام) خاصہ (شاہی کھانا) نواب ناظر اور عرض بیگی (مہتمم آداب دربار) خواص (خدمتگار) فوجدار (فیل بان) بھنڈ باد قلیان حقہ) قلاوز (غلام) سکھ (نیند۔ خواب)

ان لفظوں، محاوروں، اور کہاوتوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایسی زبان بن گئی جو اس برصغیر میں بسنے والی تمام قوموں کے مذہب جغرافیہ۔ رسم ورواج تہذیب و تمدن اور صدیوں کے تاریخی واقعات کی حامل ہے اور یہی باتیں کسی زبان کو ملکی اور قومی بناتی ہیں۔ اس لئے ہندو اور مسلمان سب اسے بولنے لگے اور اس کا حلقہ پھیلتا گیا۔ دہلی کی زبان معیاری تھی۔ وہاں شاعری نے بھی ترقی کی۔ مضمون۔ آبرو۔ شاکر۔ ناجی۔ یکرنگ۔ محمد احسن۔ احسن اس زمانہ کے شعراء ہیں۔ آبرو کی ایک غزل سنیئے:۔

آیا ہے صبح نیند سے اٹھ رسمسا ہوا ۔۔۔ جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا
کم مت گنو یہ بخت سیاہوں کا رنگ زرد ۔۔۔ سونا وہی جو ہوئے کسوٹی کسا ہوا
انداز سیں زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں ۔۔۔ جو خال اپنی حد سے بڑھا سو مسا ہوا

قامت کا سبھ جگت منیں ہی بالا ہوا ہے نام | قد اس قدر بلند تمہارا رسا ہوا
دل یوں ڈرے ہے زلف کا مار ابھو ہے سجن | رسی سے اژدہا کا ڈرے جوں ڈسا ہوا
اے آبرو اول تو سمجھ پیچ عشق کا | پھر زلف سے نکل نہ سکے دل پھنسا ہوا

سیین - ستی - ہمن - سرجن ہی - بیتیم - بیا - ندان - نیٹ - توں - ہمن بھلا رے - عورتاں آتیاں ہیں، رنجوان - جوان - یلکان - نین وغیرہ عام طور پر بولا جاتا تھا - دھڑ اور سر - گھوڑی اور گوری کا قافیہ جائز تھا -

شاہ حاتم کی اصلاحیں

اس دور کے بعد شاہ حاتم نے زبان میں اصلاحیں کیں انھوں نے خود لکھا ہے کہ میں بستی - صحی - لگانہ - دوانہ - نین جگ - نت - ستی - کیدھر - اودھر - پہ - یاں، واں نہیں لکھتا - ڑ اور ر کا قافیہ جائز نہیں سمجھتا ان اصلاحوں کے بعد ان کی زبان یہ ہے

دیکھ سرو چمن ترے قد کوں | خجل دیا لگل ہے بے بر ہے
حق میں عاشق کے تجھ لباں کا بچن | قند ہے نیشکر ہے شکر ہے
کیوں نہ دل میں تجھے چھپا رکھوں | جان ہے دل ہے دل کا اندر ہے

مارنے کو رقیب کے حاتم
شیر ہے ببر ہے دھنتر ہے

میں پایا ہوں ولے تجھ چشم کا بھید | نہ مانگوں کا کبھی ان کا اشارا
لیا اس گلبدن کا ہم نے بوسہ | تو کیا جو مار رقیبوں نے ہمارا

کئی عالم کئے ہیں قتل ان نے
کرے کیا اکیلا حاتم بچارا

صفا کر دل کے آئینہ کو حاتم | دکھا چاہے سجن گر آشکارا
حاتم اس بے مہر نے مجھی نہ دی اس غم ستے | جا کنارے بیٹھ کر اس غم ستے دریا بہا

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے شعراء کو زبان پر اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ جن الفاظ کو ترک کرنا چاہتے تھے انھیں ترک کرسکتے۔ اس وجہ سے وہ تمام الفاظ جو انھوں نے ترک کر دیئے باقی رہے۔

اس کے بعد میر و سودا کا دور آیا جو اردو شاعری کا عہد زریں کہا جاتا ہے ان کی زبان ملاحظہ کیجئے ؎

شاکی نہیں خدا سے بنی گر یہ شکل زشت
ممکن نہیں کمہار کا مالی گلا کرے — سودا

یہ چھوٹ کر تجھ سے کسی سے پھر نہ بیٹھا وے دل
مرغ وہ پھنستا نہیں جو توڑ بھاگے دام کو ,,

غم کا ہے بسر خواندہ اور درد کا پالیدہ
مضمون جو سودا کی طبیعت کا ہے زائیدہ ,,

شب کو جو چھپا مہ تو سحر کہنے یہ لاگا
داغی یہ غلام آج مرا رات ہے بھاگا ,,

داغ چیچک کے سے بتلاتے تھے اکثر بے تمیز
چنیاں سی ہم نے اس مکھڑے پہ جھڑیاں دیکھیاں ,,

ہیں دیکھی دشمن ایماں لٹک بل گوش پیں در کی
نگاہ سرمگیں کے کیا کہوں جادو کی تھی پرکی ,,

دیکھی ہے جب سے اس بت کافر کی شکل میر
جاتا نہیں ہے جی تنک اسلام کی طرف — میر

جی ڈوب گئی اپنی اندوہ کے دریا میں
دے جوش کہاں اب ہم مدت ہوئی وہ بیٹھے ,,

شور اٹھتا ہے جو ہوتے جلوہ گر ہو ناز سے
ہنجنا قد کا بلا آفت قیامت ہائے ہائے ,,

تد ہم نے اس بہشتی رو سے یہ خلطہ کیا ہم
جد ہم نے برسوں سورۂ یوسف کو دم کیا

قصہ کہیں سو کیا کیا کہیں ملنے سے رات کا
پہروں جواؤ ان نے رکھا بات بات کا

کس کس اپنی کل کو ہجراں میں روئے میکل سکا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے چین گیا آرام گیا

دل جگر جان یہ پھسمبت ہوئے سینہ میں
گھر کو آتش نے محبت کی جلا کیا کیا کچھ

یارب کدھر گئے وہ جو آدمی روش تھے
اجڑ دکھائی دیتے ہیں شہر ودہ ونگر سب

گئی وہ نوبت مجنوں کہ نام باجے تھا
ہمارا جوش جنوں اب ہے اپنی باری ہے

نین، دہیں، ٹک، بل بے، زور اندان، لیستار، انکھڑیاں، ملیاں،

سجن، پی، بیتیم، پساں، میاں جان کے علاوہ دیہاتی اور گنواری لفظیں، سانجھ، ادھر، جیرا وغیرہ کا استعمال عام تھا۔ تذکیر و تانیث کا شعور نہ تھا۔ ایک ہی لفظ کو کبھی مذکر باندھ دیا کبھی مونث۔

اس وقت تک زبان کی نہ کوئی ساخت تھی نہ مزاج تھا نہ اصول نہ لفظوں اور ترکیبوں کے بھونڈے پنے کا احساس تھا۔ انشاء نے لکھا ہے کہ پرو ٹھا۔ دھیرا۔ اور (طرف) بھیجک (حیران) آنگون۔ جانے ہارا (جانے والا) فرماتا ہے۔ قیرفا کی بولی

لکھنؤ میں اردو

۱۷۳۲ء میں برہان الملک دہلی سے لکھنؤ آئے اور اردو اپنے ساتھ لائے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ سعادت خاں برہان الملک کو اودھ کا صوبہ ملا۔

قاعدہ تھا کہ صوبیداری کے ساتھ ایک فوج اور معقول رقم بھی دی جاتی تھی کہ صوبیدار اپنے صوبہ پر شان و شوکت سے پہنچے اور جب تک وصول تحصیل نہ ہو وہ رقم مصارف کے لئے کافی ہوتی مگر برہان الملک کو خالی خولی پروانہ عطا ہوا یہ زبان کے معاملہ میں مفید ہوا۔ انھوں نے کارگزار اور ہوشیار سپاہیوں کو جو دہلی میں بیکار بیٹھے تھے آئندہ کے وعدوں پر بھرتی کیا ان سپاہیوں کی تجربہ کاری تو فوجی معاملات میں تھی مگر دہلوی ہونے کی وجہ سے ان کی زبان معیاری تھی۔ اگر کوئی فوج ملتی تو اس میں مختلف جگہ کے سپاہی ہوتے جن کی زبانیں بھی مختلف ہوتیں۔ اب نرے کھرے دلی والے اپنی زبان و تہذیب لے کے غالب قوم کی حیثیت سے لکھنؤ آئے۔ محلے کے محلے ان سے آباد ہو گئے۔ اور لکھنؤ میں دہلی کی زبان بولی جانے لگی۔

برہان الملک کچھ دنوں کے بعد اجودھیا چلے گئے۔ منصور جنگ کا ابتدائی زمانہ لکھنؤ میں۔ آخری دہلی میں گذارا۔

شجاع الدولہ پہلے لکھنؤ میں رہے۔ پھر فیض آباد چلے گئے وہاں دہلی

کے لوگ کثرت سے آ گئے۔

آصف الدولہ لکھنؤ چلے آئے۔ ان کے ساتھ فیض آباد کی پوری آبادی منتقل ہو گئی۔

دہلی سے آنے والوں کا رخ بجائے فیض آباد کے لکھنؤ کی طرف ہو گیا۔ اور اس کثرت سے قافلے آئے کہ شہر میں سمائی نہ رہی تو باون گاؤں ملا کے اس کو وسیع کیا۔ اب نئے اور پرانے دونوں شہر دہلی والوں سے آباد تھے۔ لکھنؤ والے خال خال تھے۔

اطراف ملک سے جو لوگ آئے وہ بھی اسی زبان و تہذیب میں ڈھل گئے

سعادت علی خاں (۱۲۲۹ھ) تک دہلی سے آنے والوں کا سلسلہ اسی تیزی سے جاری رہا۔ یعنی سو برس تک دہلی کی آبادی لکھنؤ منتقل ہوتی رہی۔

اس وقت لکھنؤ میں مقیم اہل دہلی جو برہان الملک کے ساتھ آئے تھے۔ ان کو سو برس ہو گئے تھے۔

شجاع الدولہ کے زمانے میں آنے والوں کو چالیس سال۔

سعادت علی خاں کے دور میں آنے والے دو چار برس سے لیکر پچیس برس تک کے تھے۔

سو برس ادھر آنے والوں کی نسل کے دو طبقے یہاں پیدا ہوئے چالیس برس ادھر آنے والے بوڑھے اور جوان مر گئے۔ بچے ادھیڑ ہوئے ان کی نسل کا بھی ایک طبقہ یہاں پیدا ہوا۔ ان سب کا لب و لہجہ لکھنؤ کی آب و ہوا کے موافق بن گیا۔ بہت سی نئی لفظیں اور محاورے پیدا ہو گئے۔ ان میں کچھ پرانی زبان (اودھی) کی یادگار تھے جیسے

نہ تھکو نہ مہکولے جو لھے میں جھونکو۔ تھکو مہکو اودھی زبان کی لفظ ہے۔

بعض سیاسی حالات کی پیداوار تھے جیسے ـــ خیر خواہ کمپنی [1]

بعض تاریخی واقعات کے حامل تھے۔ جیسے ـــ چھینکتے ناک کٹنا

کروڑ کی چوتھائی ڈھائی گھڑی کی سلطنت [2]

بعض لکھنؤ کی تہذیب و تمدن کی پیداوار تھے مثلاً جانوروں کی لڑائی یہاں کی خاص چیز تھی اسکے اثرات سے بہت سے محاورے پیدا ہوئے ـ

شیر کی آواز کے لئے ـ :ـ گونجنا اور ڈکارنا ـ

جانوروں کی لڑائی سے :ـ مینڈھے لڑانا ـ جتھا بنانا ـ دو دو چونچیں ہو جانا ـ

---

[1] چھینکنا، کھانسنا، جماہی لینا، کھجانا لکھنؤ میں تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا تھا، نصیر الدین حیدر کے دربار میں کسی کو کوئی چھینک آگئی اس پر انھوں نے اس کی ناک کٹوالی اس وقت سے یہ محاورہ بن گیا جو معمولی جرم یا ذرا سی بات پر سخت سزا دینے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔

[2] نصیر الدین حیدر کے بعد انکی سوتیلی ماں نے منا جان کو نصیر الدین حیدر کا لڑکا بنا کے تخت پر بٹھایا ـ دو تین گھنٹے کے بعد ریزیڈنٹ نے زبردستی تخت سے اتار کر قید کر دیا ـ اس وقت سے یہ محاورہ بن گیا ـ جنھیں کروڑ کی چوتھائی یعنی بہت روپیہ جو سعادت علیخاں کے خزانہ کی طرف اشارہ ہے ـ اتنا بڑا خزانہ ہندوستان میں کبھی جمع نہیں ہوا ـ جو چودہ کرور تھا ـ

کبوتر بازی سے ۔ اڑان کی لینا ۔ اچھالا دینا ۔ غٹ غوں کرنا ۔ چیں بولنا ۔ دانہ بدلنا ۔ قلا بازی کھانا، پر تولنا ۔

کنکوے بازی سے :۔ ڈھیل دینا ۔ کنے سے ۔ ہتے سے کاٹنا ۔ بیچ دینا ۔

پیراکی سے :۔ ملاحی سنانا ۔ ہاتھ پاؤں مارنا ۔ سر سے پانی اونچا ہونا ۔ ڈوبکی لگانا ۔

شہ سواری سے :۔ لگام دینا ۔ لگام ڈھیلی کرنا، پٹڑی جمانا، باگیں کسنا طرارے بھرنا، فراٹے بھرنا ۔

سپہ گری سے :۔ چورنگ کرنا ۔ چومکھی لڑنا ۔ دو دو ہاتھ ہو جانا ہاتھ دکھانا ۔ ٹھاٹھ باندھنا، تھپکی دینا ۔ تسمہ باقی نہ لگانا ۔

اڑن گھاٹیاں بتانا ۔ کنائی کاٹنا ۔ جھکائیاں دینا ۔ بھرے بیٹھے ہونا ۔ دھوئیں پار کرنا ۔ دھرّے اڑانا ۔ بلوں پر ناراں ہونا ۔ بلّے دکھانا ۔ ہتھیلیتی داغنا دھوبیں اڑانا

موسیقی سے :۔ تاتھیا ۔ دھڑ تنک ۔ تنا ریری ۔ تگنی کا ناچ، دھمال ہونا

بہت سی نئی کہاوتیں بن گئیں ۔ بیس موے لکا ہو سے ۔ آئے لوٹھے کھل گئے اندھا بانٹے ریوڑیاں پھر پھر اپنوں ہی کو ۔ بارہ برس دلی میں رہے بھاڑ جھونکتے رہے ۔ ہاتھی لاکھ لٹے گا پھر بھی سوا لاکھ ٹکے کا ۔ ٹکر ٹکر دیدم دم نہ کشیدم ۔ آپ مردم جہان مردم ۔ دریا میں رہ کے مگر مچھ سے بیر ۔ موٹی بچھیا بہمن کے نام ۔

بہت سے نئے محاورے پیدا ہو گئے ۔ آنکھیں مانگنا ۔ آنکڑا ڈالنا ۔ بوٹی بوٹی پھڑکنا ۔ ہنکارنا، تلپٹ کرنا ۔ جز برہ ہونا ۔ جُل دینا ۔ دھر بگیر کرنا

دہلیز کی خاک۔ لے ڈالنا، چھدا رکھنا۔ چھدا اتارنا، چن فن کرنا۔ ڈکار نہ لینا۔ زمین کاگز بن جانا۔ زیٹ ہانکنا۔ غرے ڈبے دکھانا۔ فیل مچانا مانا متھ مچانا۔ مونگ، مانگنا۔ مسکوٹ کرنا۔ مزے لینا۔ گلگلے لکانا، لقر لقر کرنا۔ ہقر ہقر کرنا۔ ہقتون ہقتون کرنا چھاتی پر مونگ دلنا۔ آمد کی آنا زمین آسمان کے قلابے ملانا، سنڈا مسنڈا،

بہت سی نئی لفظیں پیدا ہو گئیں:۔ لونبڑ، دھگڑ دھگڑ ہونا مخادین موم کی نان مومنا، چومنا، مقتا چقتا، بوغمہ، بلا بوغمہ، الغارون، مجحجر، گاڑی کا فقیر۔ زنان منتری، کنونڈا، بونگڑ، بھبھاقا۔ بھبھوا، جھجھاو، زیٹ زیٹ، زٹیل، آسمان میں تھگلی لگانا، قابوچی، بغلول، بس کی گانٹھ، الو کی دم فاختہ،۔

بہت سی لفظوں کا تلفظ بدل گیا:۔ مبہم مگھم، کباب، کواب، لیمو، نیبو، تنور، تندر، دل آرا، دلارا، لااوبالی، لاوبالی، فیشن، فشن، ہاسپٹل۔ اسپتال، ہوسٹل۔ ہوٹل۔ سکریٹری، سکتر، آگ بگولا، آگ بھولا، پاجامہ، بے جامہ، پائخانہ۔ بے خانہ، چارپائی، چرپائی، شوربا، شہروا، تسبیح، تسبی صحیح، سہی، افیون، افیم، احاطہ، ہاتا، خاص و عام سب کی زبان پر ہے۔ علماء بھی بات چیت میں یوں ہی بولتے ہیں۔ تنوری روٹی تو کسی کی زبان سے سننے میں نہیں آئی۔

بہت سی لفظوں میں حرکت کا فرق ہوا:۔ خزانہ، خِزانہ دِماغ، دَماغ، حماقت، حِماقت، خَراج۔ خراج، خَزاں، خِزاں رَسید سَید، سَبک، سُبک، مَیّت۔ میت۔ زِرِدع، دردع

موسم، موسم ہو گیا۔ لے

لے اس زیر زبر کے فرق سے الفاظ کا لہجہ اور لوچ بدل گیا۔ وہ اردو کے مزاج کے موافق بن گئے اور خاص و عام سب نے انھیں قبول کر لیا اس کی تصحیح زبان کی ساخت کے خلاف ہے اس طرح وہ تمام لفظیں جن میں س، ث اور ص ہے اس کا تلفظ س ہے ح اور ہ میں کوئی فرق نہیں، ت اور ط ایک ہے عین ہمزہ اور الف ایک ہی آواز ہے، ذ، ز، ض ظ کا مخرج ایک ہے ہم نے لکھنؤ میں بڑے علماء کو گھر کے اندر اسی طرح بولتے سنا، زبان کی صحت ش، ق، غ، ذ، کی درستی پر ہے۔ بیشک کتابت میں فرق رکھنا چاہیئے کہ اس کا مادہ اور مشتقات معلوم رہیں۔ کتابت اور تلفظ کا فرق ہر زبان میں ہے اردو میں بھی ہم خواب لکھتے ہیں اور خاب کہتے ہیں۔

میرا سن پندرہ سولہ برس کا تھا کہ والد مرحوم (سلطان العلماء مولانا سبط حسین صاحب مجتہد) نے مرثیہ کہا اور مجھے پڑھنے کا حکم دیا۔ کئی جگہ میں نے ع اور ح کو مخرج سے ادا کیا جب گھر پر آئے تو فرمایا کہ تم تو قرآن پڑھنے لگے تھے میں ہکا بکا ہو گیا۔ فرمایا فلاں مصرع میں ع اور فلاں میں ح کو مخرج سے ادا کیا تھا ہماری زبان اسکی متحمل نہیں۔ یہ ایسے شخص کی رائے ہے جنھوں نے پندرہ سولہ برس کے سن سے عربی میں شعر کہنا شروع کیا اور بڑے بڑے قصیدے کہے۔ اسی سن میں عراق گئے۔ پچیس برس وہاں رہے۔ بارہ سال تک تعلیم حاصل کی۔ اور بارہ سال تک درس خارج دیا۔ یہ درس عربی زبان میں ہوتا تھا اور کتابی نہیں تھا۔ اس میں عرب، ایران اور ہندوستان کے علماء شریک ہوتے تھے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

سعادت علی خاں کو فصاحت اور شوکت الفاظ کا فطری سلیقہ تھا وہ ملائی کو بالائی کہتے تھے، ان کے فقرے بہت پسند کئے جاتے تھے۔ اہل لکھنؤ میں بھی یہ صلاحیت پیدا ہوئی۔ وہ بہت سی لفظوں کا تلفظ شاندار کرنے لگے جیسے تلاؤ کو تالاب، تماکو کو تمباکو، دوات کو داوات، تلاش،

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: عربی قصیدہ خوانی کی محفلیں منعقد کرتے تھے۔ اہل زبان سے مقابلہ کرتے تھے۔ ان کی دو بیویاں عراق کی تھیں۔ وہ ہندوستان کے عربی شعرا پر ہنستے تھے کہ وہ عراقی اور حجازی محاورہ میں فرق نہیں کر سکتے۔ سینکڑوں عربی قصیدے یاد تھے جن کو بالکل عربی لہجے میں پڑھتے۔ دیہاتی گیت یاد تھے جس میں گ کی بھرمار تھی۔ قرأت بے مثل تھی۔ نماز جمعہ میں جب سورہ جمعہ پڑھتے تو مومنین پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا۔ اس کے باوجود روزانہ کی بات چیت میں ہمیشہ شعر کو شیر اور اشعار کو اشار کہا۔ کسی اردو شعر میں ث ح ع ض ظ کو مخرج سے ادا نہیں کیا۔ آخر زمانہ میں اردو میں بھی شعر کہنے لگے تھے۔ جس میں زبان کی لطافت ہوتی تھی۔ غزل کے چند شعر سنیئے:-

بت بھی اس حسن خدا ساز پہ قرباں ہو جائے — کافر آنکھوں کو جو دیکھے تو مسلماں ہو جائے
ہائے وہ زلف کو بکھر کے کسی کا کہنا — جس کو ہونا ہے پریشاں وہ پریشاں ہو جائے
جان لینا کہ ہوا ختم اسیرِ گیسو — آپ سے آپ اگر زلف پریشاں ہو جائے
.... — زلف کا حسن یہی ہے کہ پریشاں ہو جائے

مرزا محمد ہادی عزیز اس شعر پر وجد کرتے رہے اور کہتے تھے کہ یہ شعرائے حال کی فکر سے باہر ہے۔

تالاش، شور بور، شرابور، کیچ کو، کیچڑ، پھسلنا، الینڈنا، ڈھنڈیلنا، تلیھنا، تڑپنا۔ گھڑھنا۔ گڑھنا۔ سناہٹا۔ سناٹا۔ اس کے علاوہ لہجہ کا فرق۔ کام و دہن کی ساخت بدل جانے سے پیدا ہوا جس نے سامعہ نوازی پیدا کی۔ اس کا اعتراف انشاء نے کیا ہے کہ اہل لکھنؤ کو حسنِ تکلم اور نزاکت صوت میں اہل دہلی پر ترجیح ہے۔ یہ کیفیت آج بھی باقی ہے۔

ڈاکٹر صفدر حسین صاحب لکھتے ہیں :۔

لکھنؤ کی آب و ہوا اور عام فضا میں ایک ایسا لوچ ہے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں عام نہیں۔ یہاں کے خربوزوں، آم اور ککڑیوں میں یہ انفرادی لطافت اور نرمی ملتی ہے۔ ہم یہ بات تو ضرور محسوس کرتے ہیں لیکن ٹھیک ٹھیک یہ نہیں بتا سکتے کہ یہاں کی آب و ہوا نے یہاں کے باشندوں کی زبان اور آواز پر کتنا انفرادی اثر ڈالا ہے۔ بہر حال جغرافیائی اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ گوناگوں وجوہ کی بنا پر اودھ بالخصوص لکھنؤ کے لوگ بعض حروف و الفاظ زبان و حلق کی ایک خاص جنبش کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس سے ان کے لہجہ میں ایک انفرادیت محسوس ہوتی ہے۔ ایسی انفرادیت جس

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔

دل تھام لیا اپنا صحرا میں بگولوں نے
اف کہہ کے جو گرد اٹھی بیٹھی ہوئی تربت کی

یہ کون انگڑائیاں لے لے کے گذرا طور سے مرحبا بقدرِ توسئے دیدار دیکھا ورنہ پہچانا

اس شعر کے متعلق آرزو صاحب فرماتے تھے کہ تقدو قوت دیدار شاعری نہیں الہام ہے۔

سے ہم اودھ کے آدمی کو الگ پہچان سکتے ہیں۔ آواز کی یہ لطافت اور لہجہ کا یہ لوچ حسن تکلم کو بڑھا دیتا ہے اور کچھ زیادہ شیریں معلوم ہونے لگتا ہے"۔

ڈاکٹر صاحب خود بہت اچھے شاعر، لسانیت کے ماہر، زبان و بیان کی نزاکتوں سے واقف۔ صاحب نظر ادیب ہیں۔ دہلی کے پاس کے رہنے والے ہیں اور لکھنؤ ان کی آمد و رفت رہی ہے۔ انھوں نے بجا طور پر محسوس کیا کہ اہل لکھنؤ کے تلفظ میں بڑی لطافت ہے وہ بے تکلف دوستوں کو آداب و تسلیمات کہتے ہیں۔ تو آداب کے دونوں الف کی آواز اور تسلیمات کے لام کی آواز میں اتار چڑھاؤ سے اشتیاق اور خلوص کا مفہوم پیدا کرتے ہیں۔ قورما میں قور بروزن بجور بولتے ہیں اور باہر کے لوگ قور بر وزن زور) اور کہیں قور بروزن ۔ جور کہتے ہیں۔ کہو۔ سنو کرو وغیرہ میں دوسرے حرف کو پیش سے اور دوسری جگہ کے لوگ زبر سے بولتے ہیں۔ اہل لکھنؤ اسی کو زبان کی موچ کہتے ہیں [۱]

اسی سے اہل لکھنؤ کا تلفظ دہلی سے ممتاز ہوا۔

یہ لکھنؤ والے زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کے باپ دادا دہلی اور دوسرے مقامات سے آ رہے تھے۔ اصل لکھنؤ کے باشندے ان میں خال خال تھے۔

---

[۱] باہر کے جو لوگ لکھنؤ میں آ کے رہ جاتے ہیں اور کسی لفظ کا تلفظ اپنے لہجے میں کر جاتے ہیں تو ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ابھی تک زبان کی موچ نہیں نکلی ہے۔ چھوٹے بچے جن کے تلفظ صاف نہیں ہیں ان کے لئے بھی یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

ان سب کی زبان اس وقت دہلی کی زبان سمجھی جاتی تھی۔ بے شک انھیں دہلی کی زبان کے مقابلہ میں اپنی زبان کی برتری کا خیال پیدا ہو چلا تھا انشاء کو اس پر بحث کی ضرورت نہ ہوتی

ناسخ کی اصلاحیں

اسی زمانہ میں ناسخ نے بھونڈی لفظوں اور ترکیبوں کو تراش خراش کے سبک بنایا یا ترک کردیا۔

صفر بلگرامی نے ان کے متروکات کی یہ فہرست لکھی ہے

لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ
بہیر	بہن	بھرے ہے	بھرتا ہے
نپٹ	بہت	مجھ	مجھ سے
پرے	الگ	لے صبح تا شام	صبح سے شام تک
میں	میں نے	طرح غنچہ	غنچہ کی طرح
آگو	آگے	کریو	کیجیو
تئیں	تو	انکھڑیاں ملیاں	انکھڑیاں ملیں
راہ گھیروں	راہ روکوں	بدلہ کرنا	بدلہ لینا
دوانہ	دیوانہ	طرف	طرفے
ان کے	اس کے	روں	رووں
تجھ بن	بے تیرے	لاگا	لگا

لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ
جگ	دنیا	سجن	صنم
جن نے	جس نے	بولو میاں	کہو جی
چال سہنا	صدمہ سہنا	پھتروں	پتھروں
یوں بہی	ہوا بہی	بغل بیچ	بغل میں
ستے	سے	کے تئیں	کو

لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ
تجھ تیغ	تیری تیغ	ان نے	اس نے
جاٹے ہے	جاتا ہے	رپٹے ہے	پھسلتا ہے

لفظ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ
رنگ جھمکے ہے	رنگ جھمکتا ہے	تئیں	کو
بکرے ہے	کرتا ہے	خاک میں رول جانا	خاک میں مل جانا
کسو	کسی	دریا کا سا	دریا سا
ان نے	اس نے	اور	طرف
جامۂ کم گھیر	کم گھیر جامہ	اس دم تین	اس وقت تک
بات	بیتا	دلوے	دے
ٹک	ذرا	باآنکہ	باوجودیکہ
کبھی	کبھی	کیونکہ سے	کس طرح

لفظ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ
نداں	ہمیشہ	شمع کا گلنا	شمع کا پگھلنا
ہر بات کے اوجھل	ہر ایک پتے کے اوجھل	دامن چلنا	دامن مسکنا

لفظ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ
منہدی کے رنگ	برنگ حنا	دیا	چراغ
دلے	مگر ولیکن	کیونکہ	کیوں کر
داغ ہوں	داغ کھاتا	دخت تاک	دخت رز
میرے موئے گئے	میرے مرنے کے بعد	بچارون	بیچاروں
کھوج	نشان	ایدھر	ادھر
دیدار پانا	دیدار ہونا	سر کو فرو لانا	سر کو فرو کرنا

لفظ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ
بہتیاں ہیں	بہتی ہیں	جانا جاتا ہے	سمجھا جاتا ہے
شرح دینا	شرح کرنا	دل ڈھائے کر	دل ڈھا کر
ہم خواب دیکھا	ہم نے خواب دیکھا	———	———

محاورہ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	محاورہ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ
نتا	نشہ	جلا دیے گا	جلا دے گا
خواب سے جانا	خواب آنا	نت	ہمیشہ

محاورہ وقت میرؔ	تبدیلی وقت ناسخؔ	محاورہ وقت میرؔ	تبدیلی وقت ناسخؔ
جاگہ	جگہ	بدشراب	بدمست
قلابا	قلابہ	نیونا	جھکنا
اس کنے	اس کے یہاں	مجھ	مرے
بیچ	میں	وہ جدی چیز ہے	وہ جدا چیز ہے
طرف	طرف	کے تئیں	کو
تیں	تونے	مت کریو	نہ کیجیو
تجھ تیں	تجھ تک	سمندر لونا	سمندر الیچنا

محاورہ وقت میرؔ	تبدیلی وقت ناسخؔ	لفظ وقت سوداؔ	تبدیلی وقت ناسخؔ
رو رکھنا	منہ کرنا	لب بام ہو گا	لب بام آئے گا
دیجے	دیجیے	ایکون	ایک
کب رو ہے	کب منہ ہے	انتہا لانا	انتہا کو پہنچنا
ماٹی	مٹی	کرنے	کیجیے
جائے	جگہ جا	جائے باش	جائے بود و باش
قاصد چلانا	قاصد بھیجنا	بلا کی کو پہنچنا	ہلاکت کو پہنچنا
تدھر	ادھر	بھرو سر پڑنا	بھروسے پڑنا
دارو	شراب	—	—

محاورہ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	محاورہ وقت انشاء	تبدیلی وقت ناسخ
اُپر	اُوپر	جی چلا	رغبت ہوئی
مت کر	نہ کیجیو	تس پر	اس پر
جوں اینڈھن	اینڈھن کی طرح	رواندان	رواں
دارو	دوا	ہیگا	ہے
چلا جائے ہے	چلا جاتا ہے	دیا جلا	جلا دیا
اسے مغفرت ہو	اس کی مغفرت ہو	کتیں ہیں	کتنے ہیں
پگاہ کا نالہ	نالۂ سحر	دیکھ	دیکھ کر
لیک	لیکن	رہیے ہے	رہتا ہے
تنک	ذرا	اس نمط	اس طرح
تد	تب	آپ بن	بے آپ کے
تجھ	تجھ کو	ہو	ہو کر
منھ پر نقاب لینا	منہ پر نقاب ڈالنا	پرواہ	پروا
شور شرا یا	شور و شر	مت	نہ
خرابہ پھیلنا	خرابی پھیلنا	تجھ بن	بے تیرے
نمط	طرح	ہوئیگا	ہوگا۔
اس کے گئے	اس کے جانے کے بعد	چادر مہتاب اوپر	چادر مہتاب کے اوپر
دھا	عشرہ	میں کہا	میں نے کہا
خیال لینا	خیال باندھنا	نشہ	نشۂ

محاورہ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	محاورہ وقت انشاء	تبدیلی وقت ناسخ
دار کھینچنا	دار پہ کھینچنا	دیکھ لیجے	دیکھ لیجیے
پلک ماروں ہوں	پلک جھپکاتا ہوں	کڈھب	بیڈھب
ہو جے	ہو جئے	تب ہی	جب ہی
تسمے کے	اس قسم سے کہ	تو کہے	جیسا گویا
زنجیری رہنا	قید رہنا	وے	ولیکن
پالہ	پیالہ	کاسہ	کی طرح
تنک	ذرا	آخرش	آخر
تد	تب	دوانہ	دیوانہ
تجھ	تجھ کو	زرہ	زرّہ
دم باز ہیں	دم باز ہیں	بروں ہے	باہر ہے
یاں تئیں	یہاں تک	لے لیویں گے	لے لیں گے
—	—	گھڑی ایک میں	ایک گھڑی میں
—	—	مجھ پاس	میرے پاس
—	—	میاں	صاحب
—	—	جون	مثل

محاورہ وقت مصحفی و انشاء	تبدیلی وقت ناسخ	محاورہ وقت میر حسن	تبدیلی وقت ناسخ
ان نے	اس نے	پھیر پھیر	ہیر پھیر

محاورۂ وقت مصحفی و انشاء	تبدیلی وقت ناسخ	محاورۂ وقت میر حسن	تبدیلی وقت ناسخ
چھوڑ	چھوڑ کر	لوہو	لہو
کسی طرح	کی طرح	میاں	صاحب
کن نے	کس نے	رُیا	رویا
جوں ساقی تے	جوں ہی ساقی نے	ولیک	ولیکن
میں تمھارا نام لے	تمھارا نام لے کر	سُن سُن	سُن سُن کر
دلویں	دیں	خانخواہ	خواہ مخواہ

محاورہ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	محاورۂ وقت انشاء	تبدیلی وقت ناسخ
طرح نرگس کے	نرگس کی طرح	جیون	مثل مانند
دے	وہ	مثل پتنگ	پتنگ کے مثل
نگر	شہر	اٹھے ہے	اٹھتا ہے
ٹک	ذرا	بھجائے ہیں ہم	پہنچاتے ہیں ہم
چبھے ہے	چبھتا ہے	معلوم نہیں مجھ پر بھی	نہیں معلوم مجھکو بھی
تو کہے	گویا جیسے	تس پر	اس پر
نت	ہمیشہ	مت	نہ
چھوڑنا لب حنا	لب سے حنا چھوڑنا	بن کہے	بے کہے
ولے	مگر۔ لیکن	انھوں نے	ان لوگوں نے
بکھرے ہے	بکھرتا ہے	بھر گئے آہے	بھر گئے آہ
کیونکہ	کس طرح کیونکر	نمط	طرح
لوٹوں ہوں	لوٹتا ہوں	اس ڈھب کا	اس طرح کا

محاورہ وقت مصحفی و انشا	تبدیلی وقت ناسخ	محاورہ وقت میر حسن	تبدیلی وقت ناسخ
عدو	غیر	تیری فرہاد	شیریں و فرہاد
ہمسائیگاں	ہمسایوں	ایک بوسے خاطر کو	ایک بوسے کی خاطر
دم پر دم	دمبدم	کیا جانوں	کیا جانیں
بچا	بیچارہ	تیرے تئیں	تجھ کو
لیک	لیکن	تجھ سوا	تیرے سوا
نت	ہمیشہ	ہم ہی نے	ہمیں نے
میں	میں نے	پتنگ	پتنگا - پروانہ
بہنت	بہت	کیا کیا خواریاں مشت	کیا کیا خواری مشت
کیونکہو	کیونکر	غبار کی ہیں	غبار کی ہے
دل کو سحر کیا	دل پر سحر کیا	جھوٹے بھی کہا	جھوٹوں بھی کہا
پھر پھیر کہا	ہر پھیر کہہ کے	ہو جو	ہو جو
دیا	چراغ	سونپ کر کنج قفس میں	ڈال کر کنج قفس میں
زخمیتیں	زخم	رم ہو گئی	رم کر گئی

محاورہ وقت میر حسن و شاہ نصیر	محاورہ وقت ناسخ	محاورہ وقت شاہ نصیر	محاورہ وقت ناسخ
ودا	وداع	کبھو	کبھی
گزری	گزری	لوہو	لہو
طرف	طرفداری	دیکھور	دیکھ کر
جگ	زمانہ	کاڑھنے سیکھا ہے	کاڑھنا سیکھا ہے

محاورہ وقت ناسخ	محاورہ وقت شاہ نصیر	محاورہ وقت ناسخ	محاورہ وقت میر حسن خاں نصیر
طرح	نمط	تنگ کر	تنگ کر کے
لگاکر	لگا	نہ	مت
مثل	جوں	چشم داشت امید	چشم
ساتھ	سمیت	سمجھا جاتا ہے	سمجھے ہے
کوہ پہاڑا	کوہ جیرا	دیجئے	دیکھئے
گھٹائیں چھائیں	گھٹائیں چھائیاں	کس طرح	کیونکہ
محبت لگادی	لگن لگادی	بھولا م	پھلکاری

یہ دو سو اکسٹھ لفظیں ہیں بعد کے مصنفین نے اسی فہرست کو معتبر سمجھا میرے خیال میں یہ فہرست صحیح نہیں

کہیں محاورہ وقت میر کہیں سودا کہیں مصحفی کہیں میر حسن کہیں انشاء لکھا ہے۔ میر سودا اور میر حسن کا زمانہ ایک ہے اسی طرح مصحفی و انشاء کا ایک زمانہ ہے انھوں نے الگ الگ لکھا ہے اور اکثر لفظیں میر و سودا مصحفی و انشاء سب کے یہاں لکھ دی ہیں۔

جھپکے ہے کرے ہے، بھرے ہے، اٹھے ہے رہے ہے چھپے ہے، سمجھے ہے، جائے ہے، رہیے ہے سب ایک ہی نوعیت کے الفاظ ہیں۔ انھیں مختلف جگہ مستقل حیثیت سے لکھا ہے۔ اس طرح اور بھی مکررات ہیں جنھوں نے فہرست کو بہت طولانی بنادیا ہے۔ بعض بالکل غلط ہیں جیسے انھوں نے "‌" کو متروک اور "الیجنا" کو مختار ناسخ میں لکھا ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں

تبدیلی وقت ناسخ بھی درست نہیں۔ جتنی لفظیں اس کے تحت انھوں نے لکھی ہیں وہ سب میر و سودا کے یہاں ہیں۔ ناسخ نے الفاظ و محاورات کو بدلا نہیں۔ زبان میں جتنی مرادف لفظیں تھیں ان میں جو غیر صحیح تھیں انھیں ترک کر دیا جیسے زبان کے لیے ریختہ، ہندی اردو تینوں کو بولا جاتا تھا۔ انھوں نے ہندی اور ریختہ ترک کر دیا۔

غزل کو ریختہ مراعتہ اور غزل تینوں کہتے تھے۔ انھوں نے ریختہ اور مراختہ ترک کر دیا۔

پاؤں قدم، گوڑا اور گوڑی چاروں مستعمل تھا۔ انھوں نے پاؤں اور قدم کو اختیار کر لیا گوڑہ اور گوڑی کو ترک کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لفظیں اور محاورے تبدیلی وقت ناسخ میں لکھے ہیں وہ سب میر و سودا کے یہاں موجود ہیں

اسی طرح تمام دیہاتی اور گنواری لفظوں کا استعمال ناجائز قرار دیا جیسے سمے، سبھا ؤ، رجیت ان کی مرادف لفظیں وقت اخلاق عقل اختیار کیں۔ اگر اس طرح کی لفظوں کی کوئی فہرست بنائی جائے تو وہ بہت طویل ہو گی اور تمام دیہاتی لفظیں اس میں آجائیں گی۔

ناسخ کا اصلی کارنامہ

ناسخ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ ابتداءً میں عربی فارسی فقروں کی آمیزش سے اس طرح مصرع کہے جاتے تھے کہ آدھا مصرع فارسی آدھا اردو ہوتا تھا۔

از زلفِ سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے — در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

جب زبان نے اور ترقی کی اردو فارسی اور ہندی لفظیں اس طرح استعمال ہوئیں کہ ان کا بھونڈا پن ظاہر ہوتا تھا۔ انھوں نے عربی فارسی اور ہندی لفظوں کو اس طرح ترتیب دیا کہ سب نے گھل مل کے ایک جسم ایک مزاج اختیار کر لیا اور اردو کا ایک خاص کینڈا بن گیا۔

یہ کیفیت میر و سودا کے بعض اشعار میں بھی ہے مگر انھیں زبان پر اتنی قدرت نہ تھی کہ تمام اشعار ایک ڈال کہہ سکتے اور ہندی و فارسی اور عربی لفظیں اپنا وجود الگ نہ ظاہر کر سکتیں۔

ناسخ نے الفاظ کی صحت ان کی بندش و ترکیب سے زبان کی ایک ساخت اور ایک مزاج بنایا جس میں ہر غیر فصیح لفظ یا ترکیب کھٹکنے لگتی ہے۔ اگر تلاش کی جائے تو ایسی بے شمار لفظیں ملیں گی جو میر و سودا تک بے دھڑک استعمال ہوتی تھیں اور ان میں گنوار پنا پایا جاتا تھا

جیسے :-

نکل کے چوکھٹ سے گھر کی پیارے جو پٹ کے اوجھل ٹھٹھک رہا ہے
سمٹ کے گھٹ کے ترے درس کو نین میں جیرا اٹک رہا ہے — سودا

اگو نے تیرے برہ کی جب سے بھلس دیا ہے کلیجہ میرا
ہیے کی دھڑکن بن کیا بتاؤں کہ کوئلہ سا چٹک رہا ہے

اسکے مقابل ناسخ کی زبان سنیے۔

وہ زلف پیچاں ہے رشک سنبل وہ چشم فتّاں ہے غیرت گل
عذار میں ہے شباہت گل بدن میں عالم ہے یاسمیں کا

یہ زبان نہ تو میر کو نصیب تھی نہ سودا کو نہ مصحفی و انشاء کو۔ اس میں کوئی بازاری یا گنواری لفظ شامل کر دیکھیے فوراً کھٹک جائے گی۔

یہی زبان لکھنؤ اور تمام ہندوستان کے شعراء کی زبان بنی۔ بھونڈی اور بھدی لفظیں اور ترکیبیں محسوس کی جانے لگیں۔ اس کے لئے انھوں نے یہ قاعدے بنائے

۱۔ عروض و قافیہ کے اصولوں سے وزن شعر درست ہو۔

۲۔ معانی بیان کے اصول سے لحاظ کیا جائے

۳۔ لغات صحت کے ساتھ استعمال ہوں۔

۴۔ قافیہ کے سب اصول برتے جائیں۔

۵۔ بندش چست ہو۔

۶۔ جتنے کم الفاظ میں مطلب ادا ہوسکے اتنی فصاحت و بلاغت کے اصول کی پابندی ہوگی۔

۷۔ دیہاتی اور بازاری لفظوں کا استعمال نہ ہونا چاہیئے۔

۸۔ اجزائے جملہ کی ترتیب فارسی نحو کی تابع تھی۔ انھوں نے زبان کی ساخت کے موافق خود اسکی ترتیب قائم کی جس سے فصاحت پیدا ہو ہوگئی اور اسکی صرف و نحو کے قاعدے بنائے گئے۔ مثال میں میر امن کی باغ و بہار چند فقرے اور اس کے مقابل لکھنؤ کی زبان ملاحظہ کیجئے۔

لکھنؤ کی زبان	دہلی کی زبان
ایسی ایسی تباہی اٹھا کے اس شہر سے جلا وطن ہوا جو میرا جنم بھوم ہے اور جہاں میری انول نال گڑی ہے۔	ایسی ایسی تباہی کھا کے لیسے شہر سے وطن اور جنم بھوم میرا ہے اور انول نال وہیں گڑا ہے جلا وطن ہوا
منشی میر بہادر علی صاحب کے وسیلے سے جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے حضور تک رسائی ہوئی۔	منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گلگرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے رسائی ہوئی۔
وہ گھر میں تڑپتا ہے اور یہ قفس میں پھڑکتا ہے۔	وہ گھر میں تلپھے ہے اور یہ قفس میں تڑپھے ہے۔
اے عزیزو سن میں جگر سوز اس اقلیم نیمروز کا شہزادہ ہوں۔	اے عزیزو سن میں بادشاہ زادہ جگرسوز اس اقلیم نیمروز کا ہوں
شہزادوں کے ستاروں کا حال دیکھو	احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو۔
ایک استاد دانا کار آزمودہ میری تربیت کے واسطے معین کیا۔	ایک استاد دانا کار آزمودہ واسطے میری تربیت کے معین کیا

غالب کی ایک عبارت ملاحظہ ہو:-

خُر اور خورشید دونوں اسم آفتاب کے ٹھہرے جب عرب و عجم مل گئے تو کاربرعرب نے کر متبع علوم ہونے واسطے رفع التباس کے خر میں واؤ معدولہ بڑھا کر لکھنا شروع کیا۔ ہر آئینہ متاخرین نے اس قاعدے کو

پسند کیا (ادبی خطوط غالب ص ۹۵) اس عبارت میں اجزائے جملہ کی ترتیب فارسی کے موافق اور اردو کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس میں تعقید اور گنجلک ہے۔ جب تک مبتدا خبر معطوف، معطوف علیہ، موصوف، صفت، ضمیر اور اس کا مرجع اپنی جگہ پر نہ ہو۔ عبارت میں یہی عیوب پیدا ہوں گے۔

ناسخ کے ذوق سلیم نے ہر چیز کی جگہ تجویز کی جس سے عبارت کے سارے عیب دور ہو گئے۔

ایک بڑا کارنامہ ان کا یہ بھی ہے کہ انھوں نے عربی، فارسی لفظیں اس طرح استعمال کیں جس سے فارسیت پیدا نہیں ہونے پائی اور اردو کی شان باقی رہی اور وہ فصاحت میں فارسی کا مقابلہ کرنے لگی۔

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

وہ چشم فتاں ہے غیرتِ دل وہ زلف پیچاں ہے رشکِ سنبل
عذار میں ہے شباہتِ گل بدن میں عالم ہے یاسمین کا

عازم گلگشت وہ غارت گرِ گلشن ہے کیا
آمد و رفت نسیم صبح بیتابانہ ہے

بیخودی میں شبِ غم اپنے گریباں کے عوض
پھٹ گیا صبح قیامت کا گریباں مجھ سے

سوائے اہل سخن ہو مشاہدہ کس کو
نہاں ہے شاہد معنی سخن کے پردے میں

خوب برباد ہوں صحرا میں بگولوں کی طرح
سقف و دیوار و در و بام سے کچھ کام نہیں

سواب غیر کہاں ہے برنگ گل
اپنے ہی حسن پر میں گریباں دریدہ ہوں

کہکشاں ہے نہ ثوابت ہیں نہ سیار نہ صبح
نظر آتی ہے جدائی میں شب تار نئی

یہ اشعار منتخب کر کے لکھے گئے ہیں ان میں عربی فارسی الفاظ نسبتاً زیادہ ہیں مگر ترکیب ایسی ہے کہ وہ اردو کے سانچے میں ڈھل کے اردو بن گئے ہیں اسکے خلاف اہل دہلی کے کلام میں فارسی لفظوں نے اردو کو فارسی بنا دیا ہے۔

(غالب)

شب خمارِ شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا — تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا — جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

مانعِ وحشت خرامیہائے لیلیٰ کون ہے — خانۂ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ تھا

پوچھ مت رسوائی اندازِ استغنائے حسن — دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

نالۂ دل نے دیئے اوراقِ لختِ دل بباد — یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا (غالب)

وقتِ جوشِ بحرِ گریہ میں جو گرمِ نالہ تھا — حلقۂ گرداب ہر اک شعلۂ جوالہ تھا (مومن)

حضرت اثر عظیم آبادی نے سچ کہا ہے۔

شیخ امام بخش ناسخ زبان اردو کے مصلح گزرے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا تخلص نہایت حسب حال ہے۔ شیخ نے اردو کو تراش خراش کرکے ایسا درست کیا کہ اب اس کی لطافت و صفائی فارسی سے کچھ کم نہیں معلوم ہوتی۔ ذوق نے صرف مضمون آوری کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی اور اصلاح زبان کی طرف مطلق مائل نہ ہوئے۔ مومن کو بھی اس جانب کچھ توجہ نہ ہوئی۔ غالب نے تو فارسی کی اس قدر (اور اس طرح) آمیزش کردی کہ اردو پر فارسی کا شبہ ہونے لگا۔ حضرت نے فارسی زبان یا فارسی الفاظ یا فارسی جملوں کو اس طرح باندھا کہ اردو فارسی نما ہو گئی۔ اس کے برخلاف شیخ نے الفاظ فارسی سے اجتناب نہیں کیا مگر ترکیب ایسی ملحوظ رکھی کہ اردو اردو رہ گئی۔ بلکہ فارسی جملہ کو کبھی اپنے کلام میں جگہ دی تو فارسی کو اردو کر دکھایا مثلاً

سوال وصل پہ ملتا بری روتیرے ابرو کا — اشارہ ہے برات عاشقاں بر شاخ آہو کا

لاریب زبان اردو شیخ کی کوششوں کی تمام تر ممنون احسان ہے اگر جناب شیخ کو اصلاح زبان کی طرف توجہ نہ ہوتی تو زبان حال کی یہ صورت

پیدا نہ ہوتی۔ (کاشف الحقائق)

انھوں نے اپنی رائے کا متعدد جگہ اظہار کیا ہے۔

(۱) ناسخ نے اردو کو اپنے کلامِ بلاغت نظام سے ایک پاکیزہ اور شستہ زبان بنا ڈالا۔

(۲) فی الواقعی جیسی ترقی اردو کو ناسخ کی بدولت نصیب ہوئی ایسی کسی دوسرے شاعر کی بدولت ظہور میں نہیں آئی۔ بے شک اردو پر ناسخ کا بڑا احسان ہے اگر ناسخ نہ ہوتے تو جیسی زبان لکھنؤ کی فصیح و شستہ ہو رہی ہے یہ خوبیاں اسے نصیب نہ ہوتیں۔

(۳) ناسخ نے اردو کو تراش خراش کر کے ایسا درست کیا کہ اس کی لطافت فارسی سے کم نہیں معلوم ہوتی۔ (کاشف الحقائق)

مولوی عبدالسلام نے دو جگہ یہی رائے ظاہر کی ہے۔

(۱) اسی دور نے ترقی کر کے متوسطین کے زمانہ میں شیخ ناسخ جیسا مصلح مجددِ فن پیدا کیا۔ جنھوں نے الفاظ کی تنقیح و تہذیب نہایت مکمل طور پر کر دی اور ان کے بعد شعراء اسی زبان کی پیروی کرتے ہیں۔ (شعر الہند)

(۲) ناسخ نے زبان کو نہایت مہذب و شائستہ بنا دیا اور آج تمام شعراء اسی زبان کی پیروی کرتے ہیں۔ (شعر الہند)

غالب کا قول ہے :۔

"زبان کو اگر زبان کر دکھایا تو لکھنؤ والوں نے اور لکھنؤ میں ناسخ نے"

انھیں خصوصیتوں کے پیش نظر مرزا رجب علی بیگ سرور نے کہا ہے ؎

بلبلِ شیراز کو ہے رشک ناسخ کا ترور　　　اصفہاں اس نے کئے ہیں کو جہائے لکھنؤ

مصحفی کہتے ہیں ؎

کیا اور مصحفی میں کروں وصف لکھنؤ　　　روئے زمیں پہ اب صفاہاں ہے دوسرا

تسلیم دہلوی کا قول ہے ؎

رشکِ موجِ آب کوثر ہے زبانِ لکھنؤ

زبان میں یہ خوبیاں اس وجہ سے پیدا ہوئیں کہ ناسخ نے زبان کی ہیئت اور ساخت کے مطابق تصرفات کئے اور قاعدے کے تحت اس وجہ سے دوسروں کے لئے بھی عمل آسان ہو گیا۔ صغیر بلگرامی لکھتے ہیں۔

نثار علی بیگ نے قواعد اردو کے بیان میں لکھدیا ہے کہ عبارت فصیح و بلیغ وہ ہے کہ قواعد صرف و نحو کی رو سے اس میں غلطی نہ ہو اور مضمون سمجھنے میں دقت نہ ہو اسی اصول کو ناسخ نے قائم کیا اور اسی کا فخر ان کو ہے اور اسی سبب سے وہ طرز جدید کے موجد کہلائے جس کی تقلید تمام ہندوستان نے کی۔ دہلی نے کی حق پسندوں نے اس کے حق کو کبھی نہیں چھپایا (جلوۂ خضر)

پروفیسر مسعود حسن صاحب ادیب لکھتے ہیں:-

اصول و قواعد کی پابندی کا خیال عام کر دینے میں تقدم کا شرف حضرت ناسخ کو حاصل ہے (مقدمہ نظام اردو) صغیر بلگرامی نے ان کے تصرفات کی مقبولیت کا یہی راز بتایا ہے۔

ناسخ کے تصرفات ایسے مقبول ہوئے جو آج تک جاری ہیں اور ہمیشہ جاری رہیں گے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ناسخ کے تصرفات اصول سے ہوئے بعد ناسخ کے کتنی کتابیں اس اصول پہ تحریر کرنا لوگوں کو آسان ہو گیا اور وہ اصول با قاعدہ صرف و نحو ہے جو زبان کی جان اور اصل اصول ہے

مگر دہلی میں اس کا خیال نہ ہوا۔ اور میر لکیر کے فقیر ہمیشہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی کی زبان میر تقی کی روش پر رہی اور بڑھ نہ سکی مگر اس کو درست کیا تو ناسخ نے لکھنؤ میں درست کیا اور تصرفات لائقہ سے بھر دیا جو لوگوں کے لئے اب آسان راستہ ہو گیا اور ہر ایک قصد کرنے والا اس کا عامل ہو گیا۔ یہاں تک کہ بہت سے شہروں کی زبان عموماً ایک ہی طرح کی بن گئی، دیکھو صرف و نحو کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ لکھنؤ کی زبان کی قابلیت کو ظاہر کرتی ہیں میرا مقصد اس اصلاح سے یہ تھا کہ اور اسی کا فخر لکھنؤ کو حاصل ہے اور حاصل رہے گا جس کا تمام ہندوستان بلکہ دہلی جہاں جہاں جس جس مقام پر اردو کی تعلیم ہوتی ہے ممنونِ احسان ہو گیا۔ (تذکرۂ جلوۂ خضر)

غالب نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے :۔

"قاعدے کے ساتھ مطلب صاف طور سے ادا ہو نادانوں کو برانگیختہ کرنے لگا۔"

دس بیس برس میں ایک بھونڈی زبان کا واضح طور پر مطلب ادا کرنا اور فصاحت و بلاغت کا ایک بلند معیار قائم ہو جانا زبان کی ایسی رفتار ترقی ہے جو تاریخ لسانیات میں کسی اور زبان کے لئے نظر نہیں آتی۔ ہر زبان صدیوں کے بعد پچھلی زبان سے ممتاز ہوتی ہے مگر ناسخ نے دس پندرہ برس میں زبان کو تراش خراش کے ایسا درست کیا کہ وہ پچھلی زبان سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئی۔ یہیں ہمیں ناسخ نے آفتاب کمال کے سامنے سربسجود ہونا پڑتا ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قدرت کی طرف سے ان کو ایسا لسانی شعور، ذوق سلیم اور شاعرانہ صلاحیت عطا ہوئی تھی کہ دنیا کے کسی شاعر کو نہ ملی۔ انھیں نے تمام لفظوں اور ترکیبوں کے بھونڈے

پنے کو اس وقت محسوس کیا جب وہ عام طور پر مستعمل تھیں اور کسی کو ان کے بھونڈے پنے کا احساس نہ تھا زبان کی طبعی رفتار ترقی سے دو چار سو برس کے بعد متروک ہوتیں۔ مگر ناسخ نے کچھ دنوں میں ایسے تمام الفاظ کو کاٹ چھانٹ کے زبان کو اعلیٰ امعیار فصاحت و بلاغت پر پہنچا دیا۔ مولوی عبدالسلام لکھتے ہیں :۔

آیا اصول ارتقا کے لحاظ سے کسی زبان میں اتنا تغیر ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کو ایک امتحان کے پرچے میں اس طرح پیش کیا گیا ہے ۔

ناسخ اور میر کی زبان میں جس قدر فرق پایا جاتا ہے اتنا زمانہ میں نہیں پایا جاتا۔ اتنا جلد زبان کے بدل جانے کا کیا سبب ہوا ؟ (شعر الہند)

مولانا شبلی نے موازنہ انیس و دبیر میں اس کے متعلق جو لکھا ہے وہ اس کا جواب ہے :۔

بہت سے بدمزہ اور ناگوار الفاظ ناسخ کے زمانہ میں مروج تھے اور تمام شعرائے دہلی و لکھنؤ ان کو برتتے تھے۔ ناسخ کے مذاق صحیح نے برسوں کے بعد آنے والی حالت کا پہلے سے اندازہ کر لیا اور ایسے تمام الفاظ ترک کر دیئے جو بالآخر دہلی والوں کو بھی ترک کرنا پڑے۔ فراق گورکھپوری لکھتے ہیں

ناسخ نے اقلیم سخن کو ایک خود رو جنگل پایا۔ مگر کم از کم ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے ایک وسیع البسط باغ بنا کر چھوڑا۔

دیوان ناسخ سے پہلے جو اردو دیوان مرتب ہوئے ان میں سب سے مشہور دیوان میر سودا اور جرأت و مصحفی اور انشاء کے دیوان ہیں۔ ان دواوین کے مرتب ہونے کے پچاس برس کے اندر دیوان ناسخ مرتب ہوا

لیکن مقابلہ کر کے دیکھیئے تو دیوان ناسخ کی زبان میں اور ان کے بزرگ ہمعصروں کی زبان میں ایک صدی کیا شاید کئی صدیوں کا فرق نظر آئے گا۔ کہا جاتا ہے کہ جب پہلے پہل دیوان ناسخ کی جلدیں دہلی پہنچیں تو غالب و مومن و ذوق اور دوسرے استادوں نے کہا کہ اب تک جو انداز بیان رائج تھا اس کی آخری گھڑی آگئی ہم سب کو اس نئے رنگ میں کہنا چاہیئے۔ بحیثیت ادبی ڈکٹیٹر تو ناسخ کا کوئی ثانی ہوا ہی نہیں (نگار اپریل ۱۹۶۴ء)

زبان کی یہی شائستگی تھی جس نے سب کو پیروی پر مجبور کر دیا اور ناسخ کے بعد شاعروں اور انشا پردازوں میں ایک بھی ایسا نہیں مل سکتا جس نے ان کے مقرر کیئے ہوئے قاعدوں کی خلاف ورزی اور ان سے پہلے کی زبان اختیار کی ہو۔ اس طرح سارے ملک پر لکھنؤ کی زبان چھا گئی۔ اب جو قلم اٹھاتا ہے وہ بے ارادہ لکھنؤ کا مقلد بن جاتا ہے۔ اگر کچھ فرق ہوتا ہے تو وہ زبان کا عیب بن کے کھٹکتا ہے۔ اس سے دہلی والے بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:۔

اب جو زبان دہلی میں بولی جاتی ہے وہ گویا انھیں (اہل لکھنؤ) کی ہے"۔ (آب حیات)

مولانا حیدر علی نظم طبا طبائی اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں:۔

جو لوگ دہلی کے فصحا و نقاد و مالک زبان و قلم ہیں ان کا کلام لکھنؤ کی زبان سے مطابقت رکھتا ہے کس وجہ سے کہ جب سے میر و سودا لکھنؤ میں آکر رہ پڑے اسی زمانہ سے دلی گوش بر آواز لکھنؤ ہو گئی تھی بھر انشاء اللہ خاں و جرأت کے کلام نے ان کی توجہ کو ادھر سے پھرنے نہ

دیا۔ بعد ان کے آتش و ناسخ کے شاعروں نے متوجہ کرلیا۔ آخر میں میر صاحب کے مرثیوں نے خاص و عام سب کی زبان پر اثر ڈالا۔ اسی زمانہ میں نواب مرزا شوق کی مثنویاں گھر گھر پڑھی جانے لگیں کہ لوگوں کو حفظ ہو گئیں امانت بھی انھیں دنوں اندر سبھا کہہ کر اردو میں ڈرامہ کے موجد ہوئے اسکے علاوہ نام قلق واسوخت امانت اور شہر دن کی طرح دلی کی گلیوں میں بھی لوگ گاتے ہوئے پھرنے لگے۔ زبان کی شہرت کے اسباب پر غور کیجئے تو یہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جن کے نام گزرے اور ان کے کلام کی شہرت نے اس زبان کو مانوس کر دیا یہاں تک کہ دلی اور لکھنؤ کی زبان تقریباً ایک ہو گئی۔ مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ اب جو زبان دلی میں بولی جاتی ہے وہ گویا ایک ہی زبان ہے۔ اصل یہ ہے کہ اہل لکھنؤ کی زبان .... دونوں جگہ بولی جاتی ہے جس کو دہلی کے تمام امراء و شرفاء اپنے ساتھ لے کر لکھنؤ میں آئے تھے۔ اور دلی میں گنج کے ایسے لوگ رہ گئے تھے جو صاحب زبان تھے۔ ان کی زبان پر غیر قوموں کی زبان نے تو کم مگر لہجہ نے بہت اثر ڈالا اور اسکی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ لیکن لکھنؤ میں وہ زبان سب آفتوں سے محفوظ رہی۔ اسی سبب سے غالب، دیکھیئے۔ یہ میری کو فہمائش کر رہے ہیں کہ دلی کی زبان کو لکھنؤ کی زبان پر ترجیح نہ دو۔ اس پر بعض ناواقف کہہ اٹھتے ہیں کہ دلی کی زبان لکھنؤ سے بہتر ہے۔ اس کلمہ سے جو لوگ باہر والے ہیں دھوکہ کھاتے ہیں بہک جاتے ہیں۔ یہ علمی مسئلہ ہے اس میں انصاف وراستی سے نہ گزرنا چاہیئے (شرح دیوان غالب)

نظم طباطبائی نے کہا ہے کہ لکھنؤ اور دہلی کی تقریباً ایک ہو گئی اور آزاد بھی گویا کی لفظ استعمال کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کچھ

فرق رہ گیا۔ وہ فرق ایسا ہی ہے جیسا اور مقامات کی زبان میں مقامی محاورہ کی موجودگی سے ہے۔ دہلی والے خود اہل زبان ہونے کے مدعی ہیں اس لئے وہ اپنے بعض محاورے اور تذکیر و تانیث کے چند اختلافات (جو ان کی زبان پر کسی طرح چڑھ گئے ہیں -) کی صحت پر مصر ہیں وہ انھیں بولتے آرہے ہیں اس وجہ سے ان کے بھونڈے پن کا انھیں احساس نہیں۔ جیسے گھر ٹھنا کھسلنا - ان کا اینا ہمارے ہاں تلاؤ، ملائی، شوربور، فکر، سانس مذکر، طرز، قلم مونث بولتے ہیں اس سے زبان میں بھونڈا پن پیدا ہو جاتا ہے مثال میں آب حیات سے چند فقرے ملاحظہ ہوں -

(۱) اور اہل دہلی کی رفاقت اور رواج کار کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا (اٹھایا ہوا تھا میں ہوا زائد اور مخل فصاحت ہے)

(۲) میر نجات کی کل گشتنی ہم نے دیکھی ہوئی تھی۔ (ہوئی زائد اور مخل فصاحت ہے)

(۳) چاندنی رات میں تلاؤ کے کنارے چاند کی بہار دیکھ رہے تھے —
(اہل لکھنؤ تالاب کہتے ہیں)

(۴) ایک تازہ ایجاد ہوا ہے۔ (ایجاد لکھنؤ میں مونث ہے)

(۵) یہ میری اپنی ایجاد ہے۔ (میری کے بعد اپنی زائد اور مخل فصاحت ہے)

ہم ان جملوں کے اختلافی الفاظ سے ایک عبارت ترتیب دے کے لکھنؤ اور دہلی کی زبان کا فرق ظاہر کرکے ترجیح کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں —

دہلی کی زبان	لکھنؤ کی زبان
میں نے وہ کشتی جو میرا اپنا ایجاد ہے ان کے ہاں تلاؤ میں دیکھی تھی۔	میں نے وہ کشتی جو میری ایجاد ہے ان کے یہاں تالاب میں دیکھی تھی

یہی معمولی اختلافات دہلی اور لکھنؤ کی زبان میں ہیں جسے دہلویت کی کی شناخت کے طور پر دہلی والے بولتے ہیں اور جو لوگ دہلی سے اپنا لسانی رشتہ جوڑے رہنا ضروری سمجھتے ہیں انھیں اختلافات سے اپنے خیال میں دہلی کی زبان کی پیروی کر رہے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ یہ صاف ستھری زبان جسے وہ اختیار کئے ہوئے ہیں ساری کی ساری تو لکھنؤ کی ہے تو یہ کچھ بھونڈے لفظوں کے ملا دینے سے وہ دہلی کی کیسے ہو جائے گی۔

دہلی کی زبان یہ ہے:۔ آئے سجائے ہے۔ اس کے تئیں میں نے کہا۔ میں نے کہا۔ تجھ آگئے۔ پرے کو جا۔ ورے کو آ۔ اے سجن عاشق ترا سلہنے میں تیری برہ میں تلپھے ہے۔ تیرے درس کو اس کے نین ترسے ہے ساون نمط اس کی انکھیاں آنسو برسے ہے۔ اگر یہ زبان کوئی اختیار کرتا ہے تو دہلی کی پیروی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ وہ زبان جو ناسخ کی درست کی ہوئی ہے لکھنؤ کی ہے۔ دہلی کے صاحبان ذوق نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو محاورے اہل لکھنؤ کی بول چال کے خلاف دہلی والوں کی زبان پر رہ گئے ہیں وہ غیر فصیح ہیں۔ غالب کا قول ہے:

میرے کلام میں جو ناقص محاورے بندھ گئے ہیں ان کو ناپسند کرتا ہوں۔ مگر کیا کروں دہلی کی زبان ہی ایسی ہے (منقول از جلوۂ خضر

اور ایک جگہ اسکی یہ وجہ بتائی ہے۔

ناسخ نے جن قاعدوں سے زبان کو درست کیا تھا۔ وہ قاعدے عام نہیں ہوئے کہ ہم تک پہنچتے۔ یاد رہے کہ لکھنؤ کی زبان مستند ہے۔

مرزا قادر بخش صابر تیموری شہزادے تذکرہ گلستان سخن کے مولف مولانا صہبائی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ۱۳۰۲ھ میں ان کے بیٹے (قیصر بخت فروغ) نے ان کا دیوان شائع کیا۔ اس کے مقدمہ میں دہلی کے بعض محاورے استعمال کرنے پر معذرت کی ہے۔

حضرت مرحوم نے غدر سے پہلے جو کچھ فرمایا تھا اس کلام میں محاورات قدیم زبان کے باقی تھے مثلاً آئے جائے ہے مت وغیرہ۔ لیکن اس دیوان میں کوئی محاورہ بزمانہ قدیم نہیں ہے البتہ چند اصطلاحیں یا محاورے دہلی کے ایسے استعمال کئے گئے ہیں جو لکھنؤ میں نہیں بولے جاتے یہ اختلاف لکھنؤ اور دہلی کی زبان کا ہے مثلاً۔

جون سے گل یہ بہار آتی ہے   پہلے ہم جان فدا کرتے ہیں

اہل لکھنؤ جون سے کی جگہ جس کہیں گے اور اہل دہلی جون اور جس سے دونوں کو ایک ہی موقع پر استعمال کرتے ہیں۔ ...... کا یقین واثق ہے کہ اہل لکھنؤ اس اختلاف کو تصور نہ فرمائیں گے۔

داغ نے لکھنؤ کی تمام اصطلاحیں اختیار کرلی تھیں سوا فکر سانس کی تانیث اور قلم کی تانیث کے۔ غالب قلم کو مذکر نظم کرتے تھے۔

رشک کی اصلاحیں

ناسخ نے جن قاعدوں سے زبان کو درست کیا تھا انھیں اصولوں پر ان کے بعد ان کے شاگرد کام کرتے رہے ان میں میر علی اوسط رشک کا بڑا درجہ ہے۔ انھوں نے ناسخ کے زمانہ کی بہت سی لفظیں اور ترکیبیں ترک کر دیں مشہور ہے کہ ایک رسالہ بھی انھوں نے لکھا تھا مگر وہ اب نہیں ملتا۔ دو چار لفظیں ان کے متروکات کے نام سے تاریخ میں ملتی ہیں جو یہ ہیں زور، بل بے، سدا، تلے، تنک، زور، بل بے۔ سب تے ترک کر دیا۔ سدا تلے تنک مستعمل رہا۔

ناسخ نے صحت لفظی کے دو قاعدے بنائے تھے ایک یہ کہ جو لفظ جس معنی اور تلفظ میں خاص و عام کی زبان پر آجائے وہی صحیح و فصیح ہے۔

یہ قاعدہ اصل میں ناسخ کا وضع کیا ہوا نہیں ہے غلط العام فصیح یہی ہے۔ یہی ہر زبان کا فطری اصول اور ترقی کا راز ہے۔ زبانیں اسی سے بڑھتی ہیں۔ عربی میں بے شمار لفظیں عبرانی اور یونانی سے اپنا لہجہ بدل کے آئیں۔ انگریزی میں فرانسیسی الفاظ بھرے پڑے ہیں۔ ابتدا میں اردو میں بھی اسی اصول کی پابندی کی جاتی تھی۔ مصحفی نے افیم آتش نے المضاف برق نے آگ تخم نے بگولا اور یہی فصیح ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ الفاظ صحت کے ساتھ استعمال ہوں۔ بظاہر ان دونوں میں تضاد ہے مگر ایسا نہیں ہے الفاظ کی صحت کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح پہلے لفظوں کو بگاڑ کر نظم کیا جاتا تھا وہ صحیح نہیں ہے جیسے دوانہ بگانہ ناسخ و آتش اور ان کے شاگرد بھی اس پر عامل تھے۔

میر عشق کی اصلاحیں

میر عشق متوفی ۱۳۰۳ھ بعمر ستر سال لکھنؤ کے مسلم اساتذہ میں بڑے صاحب علم تھے اپنے کلام میں بہت سی جا و بیجا پابندیاں انھوں نے عائد کر رکھی تھیں۔ پروفیسر مسعود حسن صاحب ادیب نے ان پر ایک تحقیقی مضمون لکھا ہے اس سے اصلاحوں کا حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

عشق اپنی زبان پر نئی نئی پابندیاں لگاتے رہتے تھے اور متروکات کی فہرست میں اضافہ کرتے رہتے تھے پھر ان نئی پابندیوں کے مطابقت میں بیشتر کے کلام پر نظر ثانی کرتے ان کے پوتے سید عسکری میرزا مودب کے پاس ایک بیاض تھی جس میں عشق کی تقریباً پچھتر غزلیں درج تھیں ان غزلوں پر نظر ثانی کرکے اسی طرح بہت سے مصرعوں میں ترمیم کردی تھی۔ مثال کے لئے ذیل میں کچھ مصرعے درج کئے جاتے ہیں پہلے ترمیم کی وجہ بتائی جائے گی پھر اصل مصرع اور اسکی ترمیم شدہ صورت لکھی جائے گی۔

پر کا مخفف پہ متروک ہے

رہ گئے تارِ نظر چہرے پہ گیسو ہوکر
چہرے پر تارِ نظر رہ گئے گیسو ہوکر

دونوں عالم کے ڈبو دینے پہ ضد کرتے ہیں
دونوں عالم کے ڈبو دینے کو ضد کرتے ہیں

ذی شان کی ترکیب غلط

میرے مولا ہے تو عجب ذی شان

میرے مولا عجب ہے تیری شان

۳۔ تصدق رخ جاناں کی ترکیب غلط

تصدق رخ جاناں کو چاہیئے گل تر

مہ جبیں کے تصدق کو چاہیئے گلِ تر

۴۔ شوق پابوسی، کی ترکیب غلط

خمیدہ ہو گئے ہیں شوق پابوسی میں ہم ایسے

خمیدہ ہو گئے ہم حسرت پابوس میں ایسے

۵ ایک کا مخفف اک متروک

اپنے اپنے کو ہر اک عشق میں کامل سمجھا

عشق میں اپنے کو ہر ایک جو کامل سمجھا

۶۔ اور بروزن فع متروک

کبھی درد جگر ہے اور کبھی وحشت کبھی نالے

کبھی درد جگر ہے کبھی وحشت کبھی نالے

۷۔ اٹھے گی بغیر تشدید متروک

آندھی سیہ اٹھے گی ہمارے غبار سے

آندھی سیاہ اٹھے گی میرے غبار سے

۸۔ کوئی کا مخفف کُئی متروک

شادی میں ہو شریک کوئی سوگوار کیا

شادی میں ہو شریک بھلا سوگوار کیا

۹- آتی ہے بروزن فاعلن متروک

ابر چھایا ہے صدا آتی ہے میخانوں سے

ابر چھایا ہے یہی شور ہے میخانوں میں

۱۰- گھر متروک

تلاش کرنے لگے عاشقوں کے گھر معشوق

تلاش کرتے ہیں معشوق عاشقوں کے مکاں

اجل کو آپ کے گھر کا نگاہ باں دیکھا

اجل کو آپ کے در کا نگاہ باں دیکھا

۱۱- فارسی لفظوں میں بغیر ترکیب اخفائے نون نا جائز

حصار امن پائے بے بھرے انساں نہیں ممکن

حصار امن پائے بے بھرے انسان کیا ممکن

۱۲- میرا، تیرا کو، مرا ترا نظم کرنا نا جائز۔

اڑ کر مرا غبار جب آیا وطن کے پاس

میرا غبار اڑ کے جب آیا وطن کے پاس

مرے سینے سے جب نکلے شرارے آتش غم کے

اڑے سینے سے میرے جب شرارے آتش غم کے

ترے اعدا کا ایسا دفن عالم میں قائل ہو

عدو کا تیرے ایسا دفن عالم میں قائل ہو

تری عصمت کرے جو پردہ داری میرے عصیاں کی

کرے جو تیری عصمت پردہ داری میرے عصیاں کی

حصار ہے مری آہوں کا بام جاناں پر
حصار بام صنم پر ہے میری آہوں کا
مرے گناہ کی حد ہے نہ تیری بخشش کی
نہ حد ہے میرے گنہ کی نہ تیری بخشش کی

لفظوں کی صحت و عدم صحت کے بارے میں میر عشق کی رائے مستند سمجھی جاتی تھی ۱۲۷۰ھ کا واقعہ ہے کہ لفظ انتشار کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ بعض لوگ اس کو صحیح کہتے تھے بعض غلط۔ میر عشق کی رائے دریافت کی گئی تو انھوں نے اسے غلط بتایا۔ یہ ساری بحث اک رسالہ کی شکل میں شائع کر دی گئی معارضتہ النثر کے نام سے۔ اس رسالے کا خاتمہ میر عشق نے عربی میں لکھا تھا۔ مدت ہوئی راقم نے یہ رسالہ کانپور میں مولانا حسرت موہانی کے ذخیرہ کتب میں دیکھا تھا۔

علامہ غلام حسین کنتوری مرحوم نے اردو لفظوں کی تذکیر و تانیث کے متعلق ایک جامع کتاب شواہد اردو) کے نام سے لکھنا شروع کی، آب پانی، اور آفتاب (سورج) کے لئے میر عشق سے ناسخ کے کلام کی سند مانگی۔ انھوں نے ناسخ کا ایک مصرع اور ایک شعر لکھ کر بھیجا جو حسب ذیل ہیں:۔

حرم سے لاتے ہیں جس طرح آب زمزم کا
ماہ کامل ہے ترے منھ دھونے کی سیلابچی
آفتاب اے ماہ تاباں آفتابہ ہوگیا

علامہ نے میر عشق کو لکھا کہ اس شعر سے آفتاب کی تذکیر جب ثابت ہوگی جب آفتاب کا آفتابہ ہونا مراد لیا جائے لیکن شاعر نے جس طرح

پہلے مصرع میں سیلاچی کو ماہ کا مل بنایا ہے۔ اسی طرح دوسرے مصرع میں آفتابہ کو آفتاب قرار دیا ہے۔ میر عشق نے لکھا کہ ہم لوگ علماء کے سامنے منھ کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی ہدایت سے مستفید ہوا۔ یہ صحیح نہیں کہ اس شعر کو آفتاب کی سند قرار دینا بہتر ہے [۱]

میر عشق نے اپنے مجموعہ مراثی جلد اول مسمی بہ گلزار غم کے دیباچے میں تراکیب و قوافی و الفاظ متروکہ کی فہرست دیدی ہے جو حسب ذیل ہے :۔

تراکیب :۔ بصد جاہ۔ بصد آہ و زاری، بچشم تر، بکر و فر، تا بہ محشر

قوافی :۔ چلا۔ پھرا۔ بیٹھا، اٹھا، دیکھا، سنا۔ کھلا۔ بندھا، کہا۔ گرا، ملا۔ دھرا۔ اس قسم کے سب قافیئے الف واؤ یا جن کے ساتھ ہوں جمع۔

الفاظ :۔ یہ، ہووے، تلک۔ اک، بھیا، بھینا، ماں جایا، ماں جائی، سو، تب، کاہے کو، یاں کواں، لنے، چھاتی، مجرئی، مجرا، آن دیجے لیجے۔ بے کلی۔ کر بجائے گے، سدا، مرا، مری اور خون، جان جیسا اس مصرع میں ہے، "مرا خوں ہوا اور مری جان گئی"

عشق کے سات مرثیوں کا مجموعہ جو آثار عشق کے نام سے ان کے پر پوتے سید محمد مرزا مہذب نے مرتب کرکے شائع کیا ہے اسکے دیباچے میں متروکات کی یہ فہرست نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے۔

"ان الفاظ کے علاوہ اور بھی الفاظ فراہم کئے جا سکتے ہیں جن کے استعمال میں مرحوم کو احتیاط رہی۔ مثلاً جھیل۔ ندی، بھاگڑ۔ جوبن۔ بھبن وغیرہ۔ ٹھٹھ۔"

---

[۱] سوانح عمری علامہ کنتوری حصہ اول صفحہ ۱۲۵۔ ۱۲۶

میر عشق نے گلزارِ غم کے دیباچے کے شروع میں اپنے متروکات کی فہرست دی ہے جو اوپر نقل کی گئی ہے اور آخر میں لکھا ہے۔

اگر کسی قدر اور تفصیل اس اجمال کی منظور ہو تو ایک رسالہ بہت مختصر بہ زبان اردو بہ اصرار ناسخ برخوردار الحاج محمد ہادی سلمہ ربہ لکھدیا ہے۔ انشاء اللہ المستعان بہت جلد چھپا جاتا ہے اس کو طلب فرما کے ملاحظہ ہو۔ گلزارِ غم سنہ ۱۲۹۸ھ میں مرتب ہوئی اور میر عشق کا انتقال اس کے چار پانچ برس بعد سنہ ۱۳۰۳ھ میں ہوا مگر اس رسالے کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ مجھ کو آج کوئی چالیس برس پہلے اس رسالے کے دو نسخے میر عشق کے پوتے سید عسکری میرزا مودب سے مستعار ملے ایک نسخہ محمد ہادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا جن کے لئے یہ رسالہ تصنیف کیا گیا تھا۔ دوسرا نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا[1] میں نے پہلے نسخے کو نقل کر کے اور دوسرے نسخے سے مقابلہ کر کے اسکی تصحیح کرلی۔ یہ پورا رسالہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

---

[1] سوانحمری علامہ کنتوری حصہ اول ص ۱۷۵-۱۷۶

رسالۂ میر عشق

شکر اللہ تبارک و تعالیٰ نہ خاکسار زادیہ گریں کے حسب و نسب میں کوئی نقص ہے نہ تصدق ائمہ اطہار سے محتاج ہوں کہ بیشیہ مرثیہ خوانی ہوتا۔ سخن شناسان صاحب وقار و زبان دانان متانت شعار معلوم فرمائیں کہ محض بپاس خاطر برخوردار سید محمد ہادی خلف سید عابد علی صاحب مرحوم باوجود ہجوم افکار و آلام و امراض یہ چند ورق لکھے گئے کوئی صاحب در پئے تردید و تنسیخ نہ ہوں۔ کسی پر اعتراض نہیں۔ کسی پر کوئی معارضہ نہیں۔ ہر شخص اپنی تحقیق اور اپنی استعداد کے موافق حکم کرتا ہے۔ میرے نزدیک جو لفظ مخل فصاحت یا غلط تھے یا اور لفظ ان سے بہتر موجود تھے ان کو ترک کیا اور بعض ترکیبیں جو اچھی نہ معلوم ہوئیں ان کو بہ نظر احتیاط اپنے کلام میں رہنے دیا۔ یہ امر کسی بزرگوار کے خفا ہونے کا نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

متانت و تہذیب و انصاف نایاب روزگار محاورۂ زنان و مردان عوام حد سے زیادہ مرغوب الفاظ اور قسم کے بہت مطبوع و محبوب قریب ہے۔ بیٹی کی جگہ بیٹا اور بیٹے کی بٹوا اور دوارث والی جگہ بھیا اور سر کی جگہ سیس، گردن کی جگہ نٹی موزوں کیا جائے۔ کلیجہ کا کیجی تو ہوا۔ دھڑکتا ہے ننھا سا کیجا تمہارا۔ خیر یہ بھی ایک وقت ایک زمانہ ہے۔ خداوند عالم محفوظ رکھے۔ یہ دو چار لفظ جو لکھ دیئے ہیں ان کو بھی خلاف تہذیب جانتا ہوں۔ کسی صاحب کا کوئی شعر کوئی مصرع نظر میں بھی نہیں لکھا۔ اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو کہ برا مانیں

جو چاہیں ارشاد فرمائیں۔ بخدا برخوردار معلوم نے مہینوں اقرار کیا کہ اکثر الفاظ، اکثر ترکیبیں جو غلط مشہور ہیں اور جو یہاں[1] متروک ہیں وہ نظم ہو جاتی ہیں۔ اگر صاف صاف اردو میں لکھی جائیں تو خوب ہوتا۔ ہر چند کہ وہ زمانہ کہاں کہ تمامی نکات اور جملہ الفاظ و تراکیب حوالۂ قلم کئے جائیں۔ بہرحال چار و ناچار اس قدر جو پیش نظر تھے لکھوا دیئے۔ امید ہے کہ جو خطا ملاحظہ ہو عفو فرمائیں

تمازت و علالت غلط۔ ہاں اگر بدون ترکیب ہو تو شاید بما استعمال اہل ہند جائز ہو۔ جوش تمازت و زمانہ علالت صحیح نہ ہوگا

متلاشی۔ غلط۔ مہتم۔ غلط۔ مہتم۔ صحیح

نقشا۔ یہ لفظ بھی محتاج تحقیق ہے یعنی ہندی ہے یا فارسی نقش میں گفت گو نہیں۔

لاش مقتضا یہ ہے کہ یہ لفظ ترکیب کے ساتھ موزوں نہ کیا جائے۔ یعنی لاش حسین، لاش اکبر نہ کہنا چاہیئے، حسین کی لاش اکبر کی لاش میں قباحت نہیں۔ لغت میں یہ لفظ اور چند معنی پر ہے اہل فرس کے کلام میں ہیچمدان نے نہیں دیکھا جن صاحب کی تحقیق میں

---

[1] سید محمد ہادی زار تخلص کرتے تھے۔ میر عشق کے شاگرد اور مودب صاحب کے خسر تھے۔ تذکرۂ یادگار ضیغم۔ زار تخلص محمد ہادی نام خلف میر عابد علی۔ لکھنوی ہیں، اکیس برس کی عمر ہے۔ عربی فارسی حسب ضرورت جانتے ہیں۔ عشق لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ اکثر سلام و مرثیہ بھی کہتے ہیں

بہ، پہنچا ہوا ان کے لئے جائز ہے۔

ہراوّل۔ بہ کسر اول و ضم واؤ۔ ہراول غلط اُحد اول و ثانی مضموم۔ اُحَد غلط

عادی۔ اس لفظ میں بھی مثل الفاظ مسبوق الذکر احتیاط مناسب کہ عادت کنندہ کے معنی پر نہیں دیکھا۔

اخی۔ بھائی کے معنی پر معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں یائے متکلم ہے یعنی بھائی میرے۔ مارا کو میرے زینب کی تھی۔ یہ فغاں" اس صورت میں جائز نہ ہوگا۔

رائج۔ رائج الوقت صحیح رائے دین درا بج کر دینے والا دین کا) غلط بروزن مجرم۔ اگر کوئی کہے کہ تاثیر موسم تو غلط ہے۔ یہ لفظ بکسر سین ہے۔ حالت اضافت میں قافیہ عالم و غم نہیں ہو سکتا سمّت کذالک یعنی قافیہ ہمت و شہرت نہ کرنا چاہیے۔ صف ماتم بمعنی فرش خانہ ماتم۔ لغت میں اور کلام شعرائے متقدمین میری نظر سے نہیں گذرا ایس ماتم کی صف کہنا بہتر ہے۔

رضامند عقل مند حنابندی و آئینہ بندی و دامن تیغ و دامن شمشیر و تیغ دو پیکر و قلم دان۔ شاید کہ تراشیدہ اہل ہند ہوں۔ کلام شعرائے ہند میں تو موجود ہیں باقی غیر مشہور ہیں تو ہوں جب تک کلام اہل فرس میں یا لغت میں نہ ملیں احتیاط برفرور۔ شب حنابنداں و آئین بند صحیح۔

بتول عذرا۔ عذرا بروزن فُضلا و کملا شاید کہ درست نہ ہو۔ یہ وزن جمع کا ہے۔ مگر عذرا بروزن صحرا صحیح

کرب و بلا نہیں، کربلا۔ حنین بروزن کونین نہیں۔ حنین بروزن حرمین مانند بروزن پابند زُبُر بروزن دُرُر۔ زین العبا نہیں زین العابدینؑ۔ جب قید اہل ظلم میں زین العابدین ہوئے

آس، مخفف۔ آسیا ہندی معلوم ہوتا ہے یعنی بے کس و بے آس کہنے میں تامل ہے۔ محشر بپا ہوا نہیں۔ حشر بپا ہوا۔ شور و غل نہیں شور غل۔ تفاوت بہ ضم واو۔ سفید بہ کسر اول و ثانی قافیہ قید و صید نہیں ہے حرم بہ معنی خانہ کعبہ و راق خانہ، بہ معنی اہل بیت۔ یعنی زنان خانہ کسی کتاب میں نہیں ملا۔ صرف صاحب غیاث[1] نے لکھا ہے، بہر تقدیر حرم حسین کی جگہ اہل حرم حسین کہنا مناسب ہے۔ سیّد۔ جس طرح اس بیت میں ہے غلط ہو گا۔

مہمانی سید کا تجھے دھیان نہیں ہے   فرزند محمد کا تجھے دھیان نہیں ہے

جرّار۔ انبوہ لشکر، نہ صاحب جرأت۔ اس صورت سے موزوں ہونا اچھا نہیں۔ بزدل و غازی و جرار نمازی تو ہے"

جغہ کلگی۔ بہ تشدد کاف فارسی جیسا مشہور ہے۔ اس بیت میں موزوں ہے کیا، عجب ہے کہ غلط ہو۔

ترا تاج پر نور مہتاب ہے   جغہ بھی کلگی بھی نایاب ہے

جغہ صحیح۔ کلگی بہ سکون لام خبر۔ لیکن اقتضا احتیاط کا یہ ہے کہ

---

[1] یہاں میر عشق کی رائے ہیں

بدون ترکیب موزوں ہو یعنی مضاف مضاف الیہ نہ ہو اگر کلگی تحفہ یا رونق کلگی بہ ضرورت فارسی دونوں کیا جائے تو کلگی بہ تشدد لام جیسا اس شعر میں بہتر معلوم ہوتا ہے

سر کا کلِ حور از بدرگی　　　سر سخت خورد ست کلگی

لہر بروزن سحر بہ معنی موج آب صاحب نفائس[2] نے لکھا ہے میں لہر بروزن قہر جانتا ہوں

نہ اچھا نہ برا (قابل ترک) جس صورت سے اس مصرع میں ہے

نہ خود وہ آئے نہ بلایا ہمیں

مصرع - سیر سبزے زار ہے ہر برگ رعشے دار ہے" - سبز رعشہ کا اشباع برا -

مجرائی - بہت مشہور ہے اور اکثر نظم کیا گیا ہے، لیکن ترک کرنا خوب ہے، بلکہ لفظ مجرا بھی قابل پرہیز - اس واسطے کہ یہ لفظ بالفعل اور معنی پر بہت مستعمل ہے، جیسا کہتے ہیں - اس عورت نے کیا اچھا مجرا کیا "- یعنی کیا خوب ناچی گائی اور مجرائی سلامی کی ہی بھی گرانا اچھا نہیں جس طرح ان مصرعوں میں ہے

مجرائی کسی کو شاد دنیا کا غم نہیں
سلامی کیوں غم شبیر میں فغاں نہ کرے

---

[1] صاحب غیاث - مصنف غیاث اللغات

[2] صاحب نفائس، مصنف نفائس اللغات

تا بہ گور، تا بہ فلک۔ تا بہ محشر۔ بہ صد جاہ، بہ صد غم، باہ و زاری۔
بہ کروفر، بہ چشم نم۔ کذالک۔ یہ ترکیب بھی قابل احتیاط ہے۔

اکثر الفاظ، بیشتر محاورہ ہندی گو نہ غلط ہوں، طبع سلیم کو اچھے نہیں معلوم ہوتے مثلاً فوجوں میں بھاگڑ ہو گئی، لشکر میں ہلچل ہو گئی تر، نہیں، فوجیں تہ و بالا ہو گئیں، لشکر میں تلاطم ہو گیا۔
بھیڑ بھاڑ نہیں، ہجوم، کثرت۔ کڑیل جوان دلارا جوان، نہیں نوجوان۔ جوان رعنا، باقی اپنی اپنی پسند

عوام اکثر، خواص کم تر، بنائے نظم رعایت اور ذو معنی پر رکھتے ہیں۔ بظاہر یہی رونق کلام ہے، دریا کے لئے مگر۔ فصل کے لئے جھڑ، تلوار کے لئے دم بہت ممدوح سمجھتے ہیں۔

مو نہ ہو پرورش شانہ میں تو ہو موسل
سر گر رہے تھے تیغ سے کٹ کٹ کے دھڑ ادھر
یا بوتراب کہہ کے جو گھوڑے کی باگ لی
جاتا ہے کہاں بھاگ کے او خارجی والے
ہے شرط کہ انگلی سے ترے پیٹ کو پھاڑوں
ازرق کے پاس تیسرا پہونچا کٹا ہوا
وہ شوخ گرم گرم جو آکر چلا گیا

کبھی سر اٹھا کر نہیں دیکھتے ہیں — فلک کے ستم سے زمیں دیکھتے ہیں

او نجس کیسی باتھا پائی ہے — تو نے خندق میں منہ کی کھائی ہے

زمین دیکھنا، قے کرنے کے مقام پر مستعمل ہے۔ بس ایسی

ترکیب جس سے پہلو ذم کا نکلتا ہو، اور وہ مضمون جو باعث سوءِ ادب ہو یا شان ممدوح کے خلاف ہو، اور وہ لفظ، وہ محاورے جو انفار کی زبان پر ہوں اور وہ رعایتیں جو بے محل اور مخرب بندش ہوں ان کی طرف قطعاً توجہ نہ چاہیئے بلکہ احتراز واجب اگرچہ پسندِ عوام ہوں۔

الفاظ متروک - تب، بن، تو، سدا، بے کلی، کاہے کو، تلے بھیّا، بھیتا، ماں جایا، ماں جائی - نہیں - بر، یاں - وان - یہاں وہاں مرا مری نہیں - میرا میری، کیجے، لیجے، دیجے، پیجے، نہیں، کیجیئے، لیجیئے دیجیئے، پیجیئے - ہووے نہیں، ہو، ہووے گا نہیں، ہوگا - ہووے گی نہیں ہوگی، اک نہیں ایک، تلک نہیں، تک، چھاتی نہیں، سینہ آن کے، نہیں، آکے، آکر - جاکر نہیں، آکے، جاکے آؤ نہیں آور - خون، جاں جیسا اس مصرع میں ہے، مرا خوں ہوا اور مری جاں گئی - بدون ترکیب غلط -

"ہوا خون میرا گئی - میری جاں"، صحیح - سر یعنی ہمارے سر میں درد ہے ترکیب کے ساتھ یعنی ہم کو دردِ سر رہتا ہے

قوافی - چلا، پھرا، اٹھا، بیٹھا - دیکھا - سنا - بندھا، کھلا، دھرا - کہا، گرا، ملا - گھٹا - بڑھا، اسی طرح چلو، پھرو، اٹھو، بیٹھو، دیکھو، سنو - اسی طرح چلے، پھرے، بیٹھے - اٹھے، بندھے کھلے، گرے، ملے، کہے، سنے، بنے، بگڑے، دھرے، بڑھے - یہ چند لفظ بطور نظیر لکھے گئے ہیں - جس قدر قافیے اس قسم کے ہوں سب غلط، اکثر شعراء کا قول ہے کہ اس طور کے قافیے لازمی غلط ہیں

ہیں کہ ایطاء جلی ہوتا ہے مگر متعدی جائز ہیں یعنی اٹھایا بٹھایا، گرایا ملایا، اسی طرح گراؤ، ملاؤ، اٹھاؤ، بٹھاؤ، لیکن میرا مذہب احتیاط میں لازمی و متعدی دونوں کا ترک لازم جانتا ہوں۔ ہر چند نظم میں بہت ضیق ہو جائے گی، ہو۔

افسوس اگر ضعف و نقاہت سے مجبور اور ہر وقت و ہر روز کے افکار تازہ و مکروہات بے اندازہ سے معذور نہ ہوتا تو گرنا حروف علت، یعنی الف، واؤ، یا کا الفاظ ہندی میں کبھی روا نہ رکھتا۔ خداوند عالم جس کو اطمینان عطا فرمائے خاندان عالی سے ہو اور طبیعت دقت پسند و نزاکت پسند ہو۔ اور کچھ شوق بھی رکھتا ہو تو انھیں قیدیوں کے ساتھ نظم کرے کہ جتنی باتیں مخل فصاحت ہوں اور جو لفظ صاحبان تہذیب کے نزدیک مکروہ ہیں ان سب کو ترک کرے، اگرچہ دس شعر کی جگہ پانچ ہی شعر ہوں۔

ہزاروں لفظ، سینکڑوں ترکیبیں کیا کیا اس مختصر رسالے میں لکھا جائے۔

باہر سے آ کے گھر میں جو تشریف لاتے ہیں
کیسی پچھاڑیں حضرت شبیر کھاتے ہیں

تقطیع میں کھات ہیں، لات ہیں رہ جاتا ہے، اسی طرح کہتا تھا، کہتے تھے، چلتے تھے، پھرتے تھے، ڈگمگاتے ہیں، لڑکھڑاتے ہیں بتقطیع میں اگر کہت تھا، کہت تھے، پھرت تھے، ڈگمگات ہیں، لڑکھڑات ہیں۔ غلط نہ ہوں، مگر کیسا برا معلوم ہوتا ہے

صاحبان علم و ادب غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ذکر الفاظ

ہندی کا، جن کے حروف علت میں اسقاط یعنی تقطیع میں گرنا فقط مخل فصاحت ہونا، الفاظ عربی و فارسی کہ جن میں اسقاط انھیں حروف کا یعنی الف، واؤ، یا کا محض غلط ہے کیا کہا جائے۔ لفظ کبرا کہ اسم ہے فاطمہ کبرا نے دولہا کا جو لاشہ دیکھا، گرنا کبرا کے الف کا کیا قیامت ہے"۔ جب بانو کو تقدیر نے اکبر سے چھڑایا" بانو کے واؤ کا گرنا کیا مصیبت ہے غصہ میں کہہ کے یا علی کھینچی جو شہ نے تیغ" علی کی دی، کا گرانا کیا جسارت وجرأت ہے۔

شعرائے ہند نے بجائے خود ایک قاعدہ قرار دیا ہے کہ بدون ترکیب یعنی مضاف مضاف الیہ یائے نسبتی کا گرنا جائز ہے۔ جیسے مشکل کشائی پیشوائی، تنہائی۔ مسیحائی۔ شاہی، پیری، حاجی، ہادی خاکسار نے یائے نسبت و یائے مصدری و یائے اسم فاعل کسی کا گرنا اپنے کلام میں تو اچھا نہیں جانا ممکن ہو تو اس کا اسقاط روا نہ رکھے، اس لئے کہ اہل ہند متبع ہیں شعرائے فرس کے۔

ہمارا تمہارا اس قافیئے سے پرہیز چاہیے۔ شاید اصل اس کی ہم تم کو ساتھ۔ ہاتھ، ان کو، حیات، نجات، صفات، ذات وغیرہ کے ساتھ موزوں نہ کرنا چاہیئے کہ ان دونوں کے آخر میں ہائے ہوز ہے۔ پھر کیونکر صحیح ہوگا

ہر جنگ میں بندھی ہوئی دھاکیں ہماری ہیں   تلواریں ہم نے مرحب و عنتر کو ماری ہیں
اب روئے کون جتنے مرے مرنے والے ہیں   زنداں میں سب وہ اہل جفا کے حوالے ہیں

پنجہ لہو میں ڈوبا ہے دست حنائی کا — کیا حال ہو گیا یہ مرے دولہا بھائی کا
موقع نہیں ہے ظالموں تیغ آزمائی کا — کیونکر لڑوں ہے داغ مرے دل میں بھائی کا
ناحق تجھے غرور، عبث لن ترانی ہے — کمزور مار کھانے کی تیرے نشانی ہے

تقطیع میں ہمار ہیں، مار ہیں، دال او، احوال ہیں، دست حنا کا اور بھا کا لن تران ہے اور نشان ہے رہتا ہے، نہیں معلوم اس کے قافیوں میں ردی کس کو قرار دیتے ہیں، حرف ردی کس سے مراد ہے، ردی کو مستحکم اور مستقل سب نے کہا ہے بعد اضافت گرنا (ی) کا بھی جائز نہیں ہے۔ یہاں قافیوں میں یہی صورت واقع ہے۔ عجب نہیں کہ عروض کی رو سے اس کے موزوں ہونے میں کلام ہو، مجھ سے کوئی پوچھتا ہے تو کہہ دیتا ہوں، برادر میں نہیں جانتا جن کا مال ہے انسے پوچھو۔ آستینوں کو، جبینوں کو، زمینوں کو، حسینوں کو، اس میں سینوں کو، سفینوں کو نظم کرنا اچھا نہیں، کہ ان کے آخر میں ہ لکھی جاتی ہے۔ اسی طرح کمالوں کی، بالوں کی، نہالوں کی، اس میں رسالوں کی، قبالوں کی، اس طرح بیماروں میں گلزاروں میں، زرداروں میں، ان کے ساتھ نقاروں میں، قطاروں میں درست نہ ہوگا۔

۔ نمازوں سے، عشق بازوں سے اس میں جنازوں سے وہی صورت ہے۔ میں نے بہ نظر اختصار ایک ایک دو دو لفظ ہر جگہ نظیر میں لکھ دیئے ہیں۔ جس طرح زمین کے قافیوں میں یہ صورت واقع ہو احتیاط ملحوظ خاطر رہے۔ تمام غزل، تمام قصیدے میں ایک قافیہ اس قسم کا اگر موزوں ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ کم شاگرگان ہے کہ ایک قافیہ سے زیادہ نہ ہو قول ضعیف یہ ہے کہ بعد چند شعر مسدس کے چار مصرعوں میں بھی اگر

ایک قافیہ ایسا ہو تو عجب نہیں کہ صحیح ہو۔

دفعتہ۔ اس کو نون تنوین قرار دیکے چمن، ختن کا قافیہ کرنا بعض کے نزدیک غلط، پس احوط ترک۔

جینا، پسینا، سینا، مہینا، ان کے ساتھ سکینہ اور مدینہ اگر بدون اضافت ہو، جائز ہے۔ اس صورت سے یعنی اضافت کے ساتھ جیسا ان دونوں بیتوں میں ہے۔ شاہِ مدینہ، سکینہ غلط ہے

غم مرگِ شاہِ مدینہ نہیں ہے ہمیں آج منظور جینا نہیں ہے

بس اب خوب حالِ سکینہ نہیں ہے یہ لے وجہ منھ پر پسینہ نہیں ہے

بعد اضافت (ہ) کا الف ہونا دشوار ہے

جن قافیوں سے معنی فاعل پیدا ہوں وہ سب غلط، جس طرح تاباں، درخشاں غلطاں وخنداں وگریاں شناگاں ہیں، پر وہی حکم ہے کہ ایک سے زیادہ نہ ہو۔

سامان جو وہاں جنگ کا کفاروں میں دیکھا

ہر ایک کا منھ شاہ نے انصاروں میں دیکھا

کفار وانصار دونوں جمع، جمع کا جمع کرنا خوب نہیں، اس کا بھی لحاظ رہے تو بہتر ہے

گرے زمین کے اوپر جو شاہِ تشنہ دہن

زمین پر جو گرے بادشاہ تشنہ دہن

اوپر نہیں، پر، کیا ملا، خدا ملا اس میں معاملہ بہ کسر میم غلط یہ معاملہ بہ فتح میم ہے۔ نیلوفری بروزن مفتعلن نیلوفری متفعلن صحیح۔ بہ یک گردش چرخ نیلوفری۔

رات، اوقات، بات، ان کے ساتھ قد قامت الصلوٰۃ اس میں تامل بہتر ہے۔ بعد داخل ہونے الف لام کے تائے مدوّر کو قافیہ کرنا تائے دراز کا خالی احتیاط سے نہیں۔

جو لفظاً لہیئۃ و متحد المعنی ہوں ان کا قافیہ غلط ہوگا۔ مثل محمد و احمد، تمام و اتمام و اختتام جو لفظ صورت میں ایک ہوں اور معنی علیحدہ رکھتے ہوں۔ ان کا قافیہ مستحسن ہوگا صنعت تجنیس کہیں گے، مثل بار دبار دبار، مطلع و مطلع ایک مطلع آفتاب ایک مطلع غزل۔

مطلعے میں قافیہ جاہل، کامل اور شعروں میں دل و محل میں ساکن و ضامن اور اشعار میں دن ہن، مطلعے میں بادل، کاجل اور بیتوں میں اول، جدول مطلعے میں سارا تارا اور شعروں میں صحرا دریا ہر چند پہلے قافیوں میں بعضوں کے نزدیک فی التحقیق صورت جوانز ہے لیکن نہیں مطلعے میں اگر کامل و جاہل ہو تو اور شعروں میں بھی الف کی قید رہے یعنی قاتل، راحل و سائل ایسے ہی سب قافیے ہوں۔ مطلع میں اگر تارا اور سارا ہو تو سب بیتوں میں رے کی قید ضرور رہے یعنی گوارا اور یارا اور سہارا وغیرہ قافیے ہوں آیا جو غش تو گردن معصوم ڈھل گئی پانی کہا کسی نے تو بس آنکھ کھل گئی کھل اور ڈھل قافیہ درست ہو۔

بولا نہ منہ سے کچھ لیسر سعد چپ رہا آخر وہاں سے بھاگ کے خیمے میں چھپ رہا

لوگ کہتے ہیں قافیہ غلط ہے، چھپ رہا صحیح۔

اے اکبر جواں تجھے موت کھا گئی

جب حلق شاہ خنجر براں سے کٹا

اعلان نون منع الاضافت ممنوع، اکبر جوان و خنجر براں غلط

ایسے اعلان کا خیال بھی واجب

تعقید۔ ہے جلنے کو قریب شمع ہر پروانہ آتا

دل مانگنے جو ہم سے وہ شیریں ادا لگا

جلنے کو قریب شمع پروانہ آتا ہے

دل ہم سے جو وہ شیریں ادا مانگنے لگا

چاہیئے تھا اس عیب سے بھی کلام پاک رہے۔

انقال۔

میں محجوب ہوں اور میں مایوس ہوں یہ ہیں داغ غم میں تو طاؤس ہوں

میں مرتا ہوں اور لبوں پر ہے دم مرا بتاؤ تو تم اب کیا کر رہے ہو

ایک جنس کے حرفوں کا باہم ہونا جیسے مایوس ہونا

داغ غم، تو طاؤس لب دم مرا کر رہے ہے۔ یہ بھی گو نہ خلاف فصاحت ہے۔ مکرر یہ کہ بندش کی صفائی کا بہت خیال رہے۔ مضمون لاکھ اچھا ہو گا تو کچھ لطف نہ دے گا۔

معنی خوب کہ در حالت الفاظ بد است ہمچو آئینہ صافی کہ نہاں در زنگ است

ہاں مضمون بھی مبتذل و رکیک یعنی پا افتادہ نہ ہوں۔ محاورات بازاریوں کے نہیں زبان میرزایان شہر۔

شتر گربہ جسکی نظیر توصیفی نے ما و من لکھی ہے۔ ایک مصرعے میں لفظ میں لفظ میں ایک ہیں ہم، ایک، آپ اور ایک تو یا تم ہ

ہم اپنا حال اہل زباں کیا بیاں کریں
رہتا ہوں مثل برق فلک بے قراریں

سحر ہو گئی آپ ہر گز نہ آئے
کٹی کس طرح شب تمھیں کیا خبر ہے

الحاق مصرع اول مصرع ثانی سے، یہ بھی اچھا نہیں۔

گذری شب فراق بڑا افسوس ہے کہ تم
آتے تو دیکھئے جو قلق تا سحر رہا

استعارہ - اس صورت سے غلط ہو گا۔

دیکھا گہن میں آج گل آفتاب کو غل تھا کہ شاخ تیغ کے جوہر عیاں ہوئے

جب آفتاب کو گل فرض کیا تو گہن سے کیا کام، جب تیغ کا استعارہ شاخ سے کیا تو جوہر سے کیا تعلق۔

اضمار ماقبل الذکر یہ بھی معیوب ہے!

جو سیر اسکی دیکھو تو اے گل بجا ہے چمن دل کے زخموں کا پھولا پھلا ہے

اس کی مصرع اول میں ضمیر، چمن دل کے زخموں کا، مصرع ثانی میں نہ کر۔ اے خدایا، اے ولا، اے ساقیا، یا الٰہا غلط۔

چھٹوں گا مصیبت سے گر تو نے چاہا کرم کر برائے نبی یا الٰہا

اگر ہو سکے تو ان لفظوں کو اس صورت سے نظم کرے۔ لکھا نہیں۔ لکھا۔ لکھو نہیں، لکھو، رکھا نہیں، رکھا رکھو، رکھے۔ اسی طرح اٹھا، اٹھے۔ دل دکھا ہوا ہے نہیں۔ دکھا ہوا ہے۔ پنھایا نہیں۔ پہنایا۔ پنھادو نہیں۔ پہنادو۔ لفظ طرح فارسی میں بہ معنی بنا انداختن ہے۔ پس اس کو اس طرح نہیں طرح بہ فتحیں موزوں

کرنا چاہیئے۔

ردیف کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ بے کار نہ ہو یعنی قافیے پر معنی قطعاً تمام نہ ہو جائیں کہ ردیف سے کچھ غرض نہ رہے جس طرح اس مطلعے میں ہے سے

جس کو غفلت سے نہیں کام وہ ہشیار ہے پھر
جب تعلق نہ کوئی گل سے رہا خار ہے پھر

پھر کا لفظ دونوں مصرعوں میں زائد ہے

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ بعض باتیں جو سب جانتے ہیں ان کا لکھنا کیا ضرور تھا۔ جواب تو اس کا موجود ہے کہ علم شاید ہو عمل میں کلام ہے۔ مگر میں یہی عرض کروں گا کہ فی الحقیقت جس کے لئے لکھا گیا وہ محض مبتدی ہے اسی لئے مشکلات کو قلم انداز کیا۔ ہاں بظاہر تو بہت سہل ہے لیکن قیود مرقومہ کے ساتھ موزوں فرمایا جائے تو عجب نہیں کچھ مشکل معلوم ہو۔

خدا بیرا بہ بخشد از قید تمام شد

اس میں وہ تمام لفظیں بھی ہیں جو رشک سے متروکات میں کہی جاتی ہیں ان اصلاحوں میں لہر مجرئی۔ سلامی کی ی کا گرنا۔ تب بن۔ تلے۔ کھینا۔ کفاروں، سب نے ترک کر دیا۔

ہراول۔ میّت۔ موسم وغیرہ وہ لفظیں ہیں جن میں ہمارے فطری لب و لہجہ نے ترمیم کی ہے خاص و عام سب کی زبان پر اسی طرح ہیں۔ اور ہماری زبان کی ساخت کے موافق ہیں۔ چھیل

میدان۔ کڑیل جوان بھی ٹکسالی زبان میں داخل ہے۔

تمازتِ آفتاب۔ صفِ ماتم۔ لاشۂ شہدا ایسی ترکیبیں ہندوستان میں وضع ہوئی ہیں اور بہت ہیں ان کو غلط کہنا صحیح نہیں نہ غلط سمجھی گئیں ان کا استعمال عام ہے۔ علالت بھی ترک نہیں ہوا علت کی جگہ علالت اس وجہ سے بولتے ہیں کہ اردو میں علت "علت اینہ" کے معنوں میں مستعمل ہے اس ذم کے پہلو سے بچنے کے لئے علالت کا استعمال ہوا۔ بات یہ ہے کہ یہ اساتذہ اصول اور قاعدوں کی بندش میں اپنے کو جکڑے ہوئے تھے ذوق ان کا اتنا پاکیزہ تھا کہ لفظوں اور ترکیبوں کی فصاحت اور عدم فصاحت کے بہت باریک فرق کو بھی محسوس کر لیتے ہیں مثلاً انھوں نے محسوس کیا کہ دل جوان میں اعلان نون برا لگتا ہے مگر نوجوان میں نہیں تو قاعدہ بنایا کہ عطف واضافت کے ساتھ اعلان نون جائز نہیں اس طرح کتاب موہن وسوہن تو برا نہیں معلوم ہوتا مگر کتاب اچھی وبری بہت ناگوار ہوتا ہے تو قاعدہ بنایا کہ اردو الفاظ کی عربی فارسی لفظوں سے عطف واضافت باستثنائے اسم خاص جائز نہیں مگر اس کے ساتھ لطیفہ یہ ہوا کہ وہ عربی فارسی الفاظ جن میں صوتی تغیر نہیں ہوا مگر معنوی تغیر سے وہ مورد ہو گئے ان میں بھی عطف واضافت کو ناجائز قرار دیا جیسے شادی خوشی کے معنی میں فارسی اور بیاہ کے معنی میں اردو ہے تو شادی حامد مسرتِ حامد کے معنی میں صحیح اور عروسی حامد کے معنی میں غلط ہے۔ اس پر غور نہیں کیا کہ فصاحت کا تعلق صوتی اور غنائی ہے جن عربی فارسی الفاظ میں صوتی تغیر نہیں ہوا ان

میں عطف و اضافت ناگوار نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی ترکیبیں ترک نہیں ہوئیں شادی تا قاسم حنابندی قلمدان۔ صف ماتم وغیرہ ترکیبیں مستعمل رہیں۔ بحر و قافیے کے عیوب۔ تعقید۔ اثقال شتر گربہ۔ غلط استعارہ۔ اضمار قبل الذکر۔ ردیف بیکار نہ نہ ہونے کا لحاظ پہلے بھی تھا۔

جلالؔ کی اصلاحیں

میر عشق کے بعد حکیم ضامن علی جلالؔ نے زبان میں اصلاحیں کیں جو ان کے حلقہ اثر میں رائج ہوئیں۔ یہ اصلاحیں وہ اپنے شاگردوں کو لکھ کر دیا کرتے تھے۔ آرزو صاحب کو بھی انھوں نے فن میں پختگی کی ایک سند دی تھی جس میں یہ تمام اصلاحیں درج ہیں۔ یہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی آرزو صاحب نے پروفیسر مسعود حسن صاحب ادیب کو قدرداں سمجھ کے دیدی تھی اس کی نقل انھوں نے اپنی بزرگانہ شفقت سے مجھے مرحمت فرمائی ہے جو ذیل میں درج ہے۔

نقل اجازہ از جلالؔ بہ آرزوؔ

الحمد للہ والمنۃ کہ سید انوار حسین آرزو جو میرے بیس بائیس برس کے شاگرد رہیں علاوہ شاعر خوش فکر و نازک خیال سخن در عالی مذاق ہونے کے ماہر فن شعر بھی ہیں یعنی علم عروض و قافیہ و دیگر ضروریات شعری سے بھی خوب آگاہ ہیں اور تمام اصناف نظم پر توجہ کرکے اپنے میں جامعیت پیدا کی ہے لیکن غزل اور مرثیے میں

کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور بہ سبب صاحب طبع سلیم ہونے کے ہر اختلافی بحث پر رائے زنی کرکے قوت فیصلہ سے کام لے سکتے ہیں لہٰذا ان کو یہ تحریر بطور اجازہ دی جاتی ہے۔

راقم ایں چند سطور ننگ سنخوران ماضی و حال ہیچ میرز و ہیچمدان حکیم سید ضامن علی جلال بقلم خود، ۲۷ جون ۱۹۰۸ء

دستور العمل جلال لکھنوی

یار، دلدار پر لفظ اس یاوہ کا مصدر کرنا متروک

جاناں جانانہ کا استعمال بدون مضاف الیہ ہونے کے متروک۔

جان، شان، دکان، خون، سکون، ستون، دین، سین، جبین، جبین کا حالت انفرادیں با خفائے نون لانا متروک لفظ سدا بمعنی ہمیشہ وصلت و شب وصلت بجائے وصل و شب وصل با استثنائے محل قافیہ متروک۔ کون تدبیر کون صورت کون شکل وغیرہ کا استعمال کون سی تدبیر کون سی صورت کون سی شکل کی جگہ متروک ہوا ہو، ہے کے الف، واؤ، ت کا گرنا۔ ابتداً مصارع میں متروک۔

بھانا (بمعنی خوش آنا) متروک۔

لفظ عربی و فارسی کے الف واؤ، یے کا گرانا مفرد ہو یا خواہ مرکب متروک۔

مو امر گیا کی جگہ بر لانا، اس موا، تم سوا کا استعمال، اس کے سوا تمہارے سوائے مقام پر، نہ جانے کے مقام پر متروک ہے کے اہل کا اطلاق شخص واحد پر اس طور پر کہ مثلاً فلاں شخص کے

اہل مقدور یا اہل دول ہے متروک

جمع مخاطب پر مانند بلبلو، قمریو، عزیزو، یارو کے لفظ اے کا مصدر کرنا متروک۔

سوائے یار، قاتل، ساقی، زاہد، ناصح، واعظ، فلک، صبا لفظ تخلص کے کسی اور لفظ کا محل خطاب پر بدون لفظ اے یا و حضرت و جناب کے لانا متروک۔

زاہد، ناصحا، زاخطا، ولا وغیرہ کا استعمال باستثنائے لفظ ساقیا کے متروک۔

لہو کا واؤ گرانا، اور نون، فشاں کا اعلان متروک الاستعمال

میں ہی، ہم ہی، یہ ہی، وہ ہی نہیں، ہمیں، تمھیں، یہی، وہی کے مقام پر متروک۔

تلک، تک کے مقام پر متروک۔

انھوں، جنھوں کا استعمال کا، سے، کو، کے، میں، کے ساتھ متروک، نے کے ساتھ مختار۔

کیجیئے، لیجیئے، دیجیئے وغیرہ کیجو، دیجیو، لیجیو وغیرہ یہ سب فعلن کے وزن پر متروک، فاعلن کے وزن پر مختار۔ آئیو۔ دکھائیو، جائیو سنائیو، اٹھائیو وغیرہ متروک اور ترجمہ و عاطفہ کا فاع رفع دونوں وزن پر مختار

یہاں، وہاں، فعل رفع دونوں وزن پر مختار۔

بتلانا، دکھلانا، سکھلانا، بٹھلانا مختار

بھی، کی ہی کا گرانا ابتداء میں مصرع کے ہو۔ خواہ درمیان میں ہر

جگہ مختار
مہ جبیں، ہم نشین، شہ نشین، دوربیں، کمتر ہیں، ابرو کمان، بے نشان
خوش بیان، ہم زبان، نمک دان وغیرہ اس قبیلہ کے الفاظ کا حالت
انفراد میں باخفائے نون و اعلان طرح لانا مختار دونوں
آن کر، آ کر کی جگہ پر متروک۔
پہ، مخفف پر کا جو مگر کے معنی پر آتا ہے متروک۔
بسمل، بمعنی ذبح متروک بمعنی ذبیح مختار
کر، اگر، جو حروف شرط ہیں دونوں کا استعمال مختار۔
کم حوصلہ، بے مایہ، عالی مرتبہ، ہمسایہ، زنجیر خانہ۔ آئینہ خانہ، سیر خانہ
وغیرہ اس قبیل کے جملہ الفاظ کا دریا،
صحرا کے قافیے میں لانا اور بجائے ہائے مخفیہ الف کے ساتھ لکھنا مختار
رکھنا، چکھنا، بتخفیف حرف دوم متروک بہ تشدید مختار۔
اٹھا، لکھا، بجھا، بہ تشدید و تخفیف حرف دوم دونوں طرح مختار،
کوئی فعلن رفاع وفعل کے وزن پر مختار، فع کے وزن پر متروک۔
روئی، سوئی، فعلن اور فاع کے وزن پر مختار فعل کے وزن پر متروک
چھاتیوں کا استعمال بجائے پستان متروک۔
حورا کا استعمال بجائے حور متروک
تب کا استعمال جو مقابلے میں جب کے لاتے ہیں متروک۔
رات کا استعمال رات کو کی جگہ مثلاً اس طور پر کہ وہ رات آیا تھا۔
یا گیا تھا متروک۔
لفظ بن کا استعمال متروک۔

منیر کی اصلاحیں

عشق اور جلال کے معاصر منیر شاگرد رشک (م ۱۲۹۷ھ) نے بھی اپنے لیے بہت سی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں مگر وہ کہیں لکھی ہوئی نہیں ملیں۔ ان کے شاگردوں سے جو کچھ سنا اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ رشک، عشق اور جلال کے یہاں جو کچھ ہے وہی سب ہے۔

خورشید کی اصلاحیں

اصلاحِ زبان کے سلسلے میں ناسخ کے بعد محمد اصطفے خاں خورشید (م ۱۳۱۳ھ) نے جس باریک بینی سے اصلاحیں کیں وہ ان سے پہلے اور بعد کے لوگ بھی نہ کر سکے۔ انھوں نے متروکات بتانے پر اکتفا نہیں کی ان پر محققانہ بحث کی ہے جس سے ہمیں اصلاح کے اصول، زبان کی ساخت اور مزاج معلوم ہو جاتا ہے۔ خورشید مرحوم لکھنؤ کے مسلّم اساتذہ میں تھے۔ عروض و قافیہ میں محقق کا درجہ رکھتے تھے کلام استادانہ ہوتا تھا ان کے شاگرد لکھنؤ اور اطراف ملک میں کثرت سے تھے، بندہ کاظم جاوید، شاداں بلگرامی، شادماں لکھنوی حکیم منے آغا آفتاب، حکیم منے آغا فاضل مظفر علیخاں کوثر۔ رئیس جائسی ان کے مشہور شاگرد ہیں۔

باہر کے شاگردوں نے ان کے متروکات دریافت کئے اس ضرورت سے انھوں نے ایک کتاب افادات لکھی جس میں متروکات کے ساتھ اپنے حالات عروض و قافیہ کے ضروری مسائل لکھے ہیں۔

متروکات کی بحث پیش کی جاتی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ متروکات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا ترک میرے نزدیک ضروری ہے۔

دوسرے وہ کہ جن کا ترک ضروری نہیں ہاں بہتر ہے۔ ایک شرط کے ساتھ کہ زبان بگڑ نہ جائے بعض اساتذہ کو دیکھا کہ ان کا کلام متروکات کی پابندی سے بدل گیا نہ وہ رنگ رہا نہ مزہ۔

جس قدر متروکات ہیں وہ غلط تو یقینی نہیں ہیں خصوصاً وہ متروکات جو اساتذہ حال کے کلام میں بھی ہیں بعض نے اب ترک کیا ہے انھیں غلط کون کہہ سکتا ہے ہاں جو اساتذہ تارک ہیں وہ ان کے ترک کو بہتر کہیں گے بس میں اس قول میں بھی ان سے مخالفت رکھتا ہوں یعنی میں ترک بہتر نہیں سمجھتا۔ اگر زبان و مذاق بدلنے کا خوف ہو ہاں اگر یہ خوف نہ ہو بلاشک ترک اولیٰ ہے پس یہ دشوار ہے ضرور ہے کہ ترک بعض متروکات حال کا نظم میں دقت نہ ڈالے اور وہ صفائی اور بول چال اور روزمرہ اپنی حالت پر نہ رہے جو بغیر ترک باقی رہتا ہے اس نظر سے ترک ان کا بہتر کیسا بلکہ بدتر ہے میں برابر دیکھ رہا ہوں نام لینے سے کیا حاصل کہ بعض اساتذہ جو بعض متروکات حال کے پابند تھے یا ہیں ان کا کلام بے مزہ اور غیر فصیح و بلیغ ہے۔

قسم اول متروکات واجب الترک

پیار، پیاس باظہار یا، پیالہ بمعنی ظرف مخلوط التلفظ

مع الترکیب دونوں طرح درست ہے۔

بیں، کو کے معنی میں کبھو، کسو کبھی کے مقام پر آخرش آخر کی جگہ آن کے آگے کی جگہ از سے کے مقام پر جیسے از جہان وغیرہ مگر اس جگہ ترک نہیں ہے جہاں اس کے مدخول علیہ کے بعد "سے" لا ہی نہ سکیں جیسے ازخود رفتہ وغیرہ کے انتظار میں بزیادت یا، اندھیارا، اندھیرا کی جگہ پر اجیالا، اجالا کے مقام پر

بل بے فقرہ ترا معاذ اللہ "بن" بے یا بغیر کی جگہ "بیچ" میں کی جگہ بیر پاؤں کے معنوں میں اکثر مقام پر ترک ہے مگر بضرورت ایسے مقام پر لانا قباحت نہیں جہاں ہماری زبان پر ہو اور اہل زبان بولتے ہوں جیسے کسی مثل وغیرہ میں

اہل بروزن سہل برائے شخص واحد۔ ولیکن ولیک ولے ہر سہ بمعنی مگر۔

"تو" بواؤ مجہول کثیر المعانی ہے لانا ہر جگہ بضم و بغیر اشباع ہی فصیح و بہتر ہے سوائے اس جگہ کے جہاں اسکے بعد سہی لائیں پس اس وقت باشباع و بفتح تا چاہیئے بضم و بغیر اشباع نادرست ہے مثال جناب منیر مرحوم ؎

ہاتھ قاتل کے بھی بندھوائے حنا کے نام سے
پاؤں پڑ کے سر چڑھے خون تھیداں تو سہی

اور اگر یہ لفظ یعنی سہی بمعنی تمنا ہے تو پھر بغیر اشباع و بضم تا، تو کو لانا فصیح ہوگا مثال کمترین ؎

عشق بھی منظور ہے عشاق کو مانند کلیم
وہ نقاب رخ پر نور اٹھائیں تو سہی

زور بمعنی عجیب و بسیار، سدا بمعنی ہمیشہ، سمیت ساتھ کے معنوں میں کیونکہ سے کیونکر یا کس طرح کی جگہ ببولا بگولا کی جگہ مت بمعنی نہ موسم میت بفتح سین و یا نشا حرکت دوم نے باشباع بجائے نہ بتلانا دکھلانا بفتح کاف و کسر ہا سکون لام اور کہلانا بفتح کاف وسکون ہا بروزن بہلا کے کیونکہ ان دونوں میں اول تو مساوی ہے یعنی کہلوانا اور کہوانا دونوں از روئے فصاحت یکساں ہیں اور دوم یعنی کہلوانا یقینی کہانا بفتحتین بروزن بہانا سے افضل ہے مثال ؎

ہم ان کے عاشق کہاتے ہیں

اس سے یہ یقینی فصیح تر ہے ؎

ہم ان کے عاشق کہلاتے ہیں

دلا وغیرہ الف ندا کے ساتھ سوائے ناصحا اور ساقیا کے کہ بوجہ کثرت استعمال متروک نہیں ہیں ۔

سمجھنا کے بعض مشتقات میں "نے" علامت فاعل لانا کسی طرح اب درست نہیں جیسے یہ شعر حضرت آتش مرحوم کا جسے میرے مہربان شوق تیموری زاد لطفہ نے اپنے رسالہ اصلاح میں نقل کیا ہے ؎

عشق اس چاہ زنخداں کا ہوا جب دن سے
میں نے سمجھا کہ لحد میں دل بیتاب اترا

بلکہ مجھے گمان ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے یوں نہ کہا ہو گا کاتب کی غلطی ہے اور مصرع ثانی یا یوں ہے میں یہ سمجھا کہ یوں ہے میں نے جانا الخ اگر اور مقام میں بھی ان کے کلام میں اس طرح نہ پایا جاتا مگر بعض جگہ تو اس طرح نظم ہوا ہے کہ تاویل بھی

ممکن نہیں پھر کیونکر ایسا گمان کیا جائے۔

ایکی بیائے معروف کو بعض فصحا نے ترک کیا ہے میرے نزدیک یہ لفظ بیائے مجہول و بیائے معروف دونوں طرح فصحا کی زبان پر جاری ہے مونث کے ساتھ بیائے معروف اور مذکر کے ساتھ بیائے مجہول مثلاً ایکے سال اور ایکی سال۔

انکھڑیاں اس لفظ کو بعض فصحائے حال ترک کر چکے ہیں مگر مگر میں ان سے متفق نہیں ہوں منشی منیر مرحوم سے محقق کہ جنھوں نے اس قدر متروکات کی پابندی کہ دوسرے سے کم کی ہوگی وہ فرماتے ہیں ؎

نشیلی انکھڑیاں نیچی نگاہیں
پھنسا لینے کی بھکلانے کی راہیں

اور گھوڑے وغیرہ کی آنکھوں کی تعریف میں جس کے نظم کی ضرورت مرثیوں میں اکثر پڑتی ہے تو انکھڑیاں آنکھوں سے فصیح تر ہے

پہنانا گھنانا کے وزن پر میرے نزدیک خوب نہیں ہے

میں نے فصحائے حال کی زبان سے جب سنا ہے پنہانا نون مخلوط الہا کے ساتھ اور بعض حضرات جو عکس اس کے فرماتے ہیں وہ دلیل بھی لاتے ہیں کہ پہننا جو مصدر لازم ہے اس میں بھی ہائے ہوز مقدم نون سے ہے لہٰذا اس میں بھی پہنانا چاہیئے۔ یہ خیال ان کا زبان و استعمال روزمرہ میں ٹھیک نہیں کیونکہ دیکھنا میں جو یا حرف کاف سے مقدم ہے۔ چاہیئے تھا کہ اسے مصدر متعدی میں بھی دیکھانا ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے دکھانا ہے باسقاط یا بس یہ زبان ہے جس

طرح جو لفظ جاری ہو گا اسی طرح درست و فصیح سمجھا جائے گا۔ قواعد کی پابندی زبان کو نہیں چاہیئے بلکہ قواعد بپابندی زبان بنائے جاتے ہیں

عادی :۔ بعض خواص عادت گیرندہ کے معنوں میں اس کو استعمال نہیں کرتے بپاس معنوی لغوی۔ مگر میں اس رائے میں مخالفت رکھتا ہوں میری رائے میں اگر بترکیب فارسی نظم ہوا ہو تو عادت گیرندہ ہی کے معنی میں استعمال کرنا بہتر ہے اصل لغت سے چونکہ خلاف روزمرہ و استعمال ہے احتراز چاہیئے۔

رہی مخلوط لہا کو بعض فصحا ترک کر چکے ہیں مگر میں دونوں طرح استعمال کرتا ہوں

گھائل بروزن قائل بکسر یا گو بعض محققین نے اب ترک کر دیا ہے الا چونکہ اساتذہ گزشتہ اکثر نظم کر گئے اور اساتذہ حال بھی کل تارک نہیں ہوئے لہٰذا میرے نزدیک بھی دونوں طرح درست ہے

وصلت کو بھی بجائے وصل بعض فصحا ترک کر چکے ہیں مگر میں نے ترک نہیں کیا۔

لفظ فارسی سے واؤ معروف یا الف کلمہ آخر کا گرانا جس طرح متروک ہے اسی طرح یائے فارسی کا گرانا بھی میں نے ترک کر دیا ہے گو بغیر ترکیب بھی ہو۔

معشوق کو جب رشک گل وغیرہ سے تعبیر کریں گے تو بعد اس یا وہ یا اک وغیرہ کے کلام میں نہ لانا چاہیئے۔ جس طرح

خدا ہوں جان و دل سے رشک گل پہ

مجہول و معروف کا قافیہ گو بترکیب فارسی نظم اردو میں ہو

اس سے بھی احتراز چاہیئے۔ جس طرح یہ مطلع ؎

زیر تربت بھی اثر پہونچے جو اسکے نور کا
دل میرا پروانہ بن جائے چراغ گور کا

ہائے مختفی کو بترکیب عطف و اضافت الف کے ساتھ قافیوں میں لانا غلط ہے معطوف علیہ اور معطوف جب ہندی ہوں یا ایک بھی ان میں سے ہندی ہو تو واو عطف مثل فارسی کے درمیان میں لانا جیسے رات و دن یا روز و رات وغیرہ غلط ہے ہاں حرف عطف ہندی کا لانا درست ہے یعنی رات اور دن کہہ سکتے ہیں مگر یہ بھی فصیح نہیں۔ رات دن کہنا چاہیئے۔

آخر جمع ہندی سے یا علاوہ جمع کسی لفظ کے آخر سے مثل بدھیاں، جالیاں، کہاں، وہاں وغیرہ کے الف دنوں دونوں کو گرانا مثل ان مصرعوں کے ؎

اے رشک گل نہ بدھیاں پھولوں کی تو پہن
کہاں جاتے ہو بن سنور کے تم

وہ الف کہ جو آخر ہندی الفاظ میں ہو اور اصلی ہو اس کا گرانا بھی خوب نہیں جیسے ؎

برا کرتے ہیں آپ جاتے ہیں۔

ہاں علامات فعل وغیرہ گریں تو مضائقہ نہیں الا اس میں بھی اتنا لحاظ رکھنا بہتر ہے کہ ایک ہی مصرع میں کئی الف نہ گرنے پائیں ورنہ فصاحت کے پایہ سے کلام گر جائے گا جس طرح یہ مصرع ؎

میں بولا منہ تمھارا بہت تمتمایا ہے

حذف بعض روابط مثل کے ع

رات اس کے ہجر سے مضطر دل ناشاد تھا

اسے یوں کہنا چاہیئے :- رات کو اس کے ہجر میں

جون بواؤ مجہول بمعنی مثل ۔ مانند

ہوئے، ہوئے، ہویں، ہوئیں کی جگہ

پاؤں باشباع بروزن فعلاں یا پاؤں بروزن فاع کی جگہ

دیکھکے متروک و مذموم ہے کیونکہ دیکھ کر میں جو کر ہے یہ خود کے معنی میں ہے

تو بواؤ مجہول وہ کی جگہ جیسے جو ہوا "اور" بتخفیف بروزن فع ہو درمیان معطوف و معطوف علیہ کے نہو بلکہ دوسرے کے معنی میں ہو ۔ جس طرح یہ شعر حضرت غالب کا ہے

دیکھے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

اور درمیان معطوف اور معطوف علیہ کے جو واقع ہو یعنی حرف عطف ہندی اسے بھی گو بعض فصحا بروزن فع لانا ترک کر چکے الا میں اس پر متفق نہیں ہوں ۔

جو بواؤ مجہول یہ بھی مثل تو کے کثیر المعانی ہے اور ہر جگہ بغیر اشباع ہی فصیح ہے اس مقام کے سوا جہاں ہر کے معنی میں ہو یا جس طرح جیسے وغیرہ کے معنی میں ہو وہاں عکس اس کے چاہیئے جیسے یہ مصرع ۔

دیکھتا ہے جو مجھے روتا ہے وہ ابرو جو میری آنکھوں میں ہے گوہر وہ نہیں

خون باخفائے نون بے ترکیب فارسی جان باخفائے نون بے ترکیب فارسی گو بعض اساتذہ کل الفاظ فارسی کو جس میں نون بعد حرف مدہ واقع ہے باخفائے نون بے ترکیب فارسی لا زبان پر بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے اور چنداں ان کی پابندی میں وقت اور خوف بے مزگی کلام بھی نہیں ہے بخلاف اور جملہ الفاظ کے کہ ان میں دونوں باتیں ہیں یعنی زبان پر بھی برا نہیں معلوم ہوتا اور پابندی میں خوف بے مزگی کلام و وقت بھی بہت ہے لہٰذا اور سب کو جائز رکھا ہے ترک نہیں کیا مثل زبان جہان آسمان وغیرہ کے ۔

جا جگہ کے معنوں میں بغیر ترکیب فارسی ۔

تلک تک کی جگہ ۔

بعض اشعار میں جو ایک مصرع میں قائل اپنا ذکر میں یا ہم کے ساتھ کرے اور دوسرے مصرع میں عاشق اپنی جگہ لائے یہ بھی خوب نہیں جیسے یہ شعر ؎

میرے مرنے کو سنتے تو آتے نہ وہ کبھی
ان کے آنے کا سبب عاشق کا جانا ہو گیا

بوقت وقت کی جگہ

یہاں تک تو وہ متروکات لکھے گئے جنھیں اکثر یا کل فصحا ترک کر چکے ہیں اور میں بھی تارک ہوں اور ان کے بیان سے غرض اصلی اپنے تلامذہ کو مطلع کرنا ہے جو حضرات ان متروکات میں سے بعض کا استعمال کرتے ہوں وہ برا نہ مانیں کیونکہ میں معترض کسی پر نہیں ہوں اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ متروکات غلط نہیں ہیں

اب ان الفاظ کا ذکر کرتا ہوں جنھیں بعض اساتذہ ترک کر چکے ہیں اور میں قابل ترک بشرط مذکور جانتا ہوں مگر چونکہ مجھے یقین ہے کہ ان کے ترک میں ضرورت وقت پڑے گی اور مزہ کلام بھی باقی نہ رہے گا لہذا میں نے ترک نہیں کیے اور نہ اپنے احباب و تلامذہ کو صلاح ان کے ترک کی دیتا ہوں کیونکہ میں تجربہ کر چکا ہوں کہ بعض اشعار سے جو ان لفظوں کو نکال کے اور بدل کے دیکھا تو وہ مزہ جو پہلے تھا باقی نہ رہا۔

قسم دوم متروکات جو قابل ترک بشرط مذکور ہیں۔

پہ مخفف پر کا۔ یاں واں۔ یہاں وہاں کی جگہ کیجے لیجے کیجئے لیجئے کی جگہ

انتمان، مضمون، زمین وغیرہ جتنے الفاظ ہیں کہ نون ساکن اور حرف مد واقع ہے سوائے خون و جان کے با خفائے نون بے ترکیب فارسی بشرطیکہ واجب الاخفا نہوں۔

"سے" جو لفظ طرح یا طرز وغیرہ کے بعد واقع ہوتا ہے جیسے اس طرح سے جس طرح سے وغیرہ اور بر وزن فع مخفف اور بر وزن فاع جو حرف عطف ہندی ہے۔ مرا۔ ترا بلغیر یا عوض میرا تیرا کے پر بمعنی مگر و لیکن۔ گر مخفف اگر۔ اک ایک کا مخفف۔ یہ کل متروکات تھے جو بیان ہوئے۔

بنیاد حسین جاہ کی اصلاحیں

نواب سید بنیاد حسین جاہ نے اپنے دیوان مطبوعہ ۱۳۱۳ھ میں اپنے متروکات یہ لکھے ہیں۔

آن کے متروک آکے مستعمل۔ آخرش متروک آخر مستعمل۔

خون و جان وغیرہ کلمات سہ حرفی باخفائے نون متروک حالت عطف واضافت اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً جان و دل اور قطرۂ خون وغیرہ اور لفظ جاناں معشوق سے خطاب کی حالت میں بھی باخفائے نون۔

ایّام (روزدن) اس کا استعمال ایام مخصوصۂ نساء میں بہت ہوگیا ہے اس کراہت سے بچنے کے لئے بلاترکیب کے متروک البتہ جہاں مضاف یا مضاف الیہ ہو جیسے ایّام بہار، یا گردش ایام جائز ہے۔

اوپر متروک پر۔ یہ مستعمل نیچے کے مقابل اوپر کا استعمال جائز ہے۔

اندھیارا متروک اندھیرا مستعمل۔

جا جگہ کے معنوں میں متروک مگر ترکیب اضافی جائز جیسے سہ یا سینہ میں بجائے دل یکاں ہے

خود رفتہ متروک از خود رفتہ مستعمل۔

طرز بتذکیر متروک بتانیث مستعمل شمشیر مستثنیٰ ہے۔

شور و شر وغیرہ بتذکیر متروک بتانیث مستعمل۔

دیجے کیجے بروزن فعلن متروک دیجئے کیجئے بروزن فاعلن مستعمل

سات ہات متروک ساتھ ہاتھ مستعمل۔ جو کہ جبکہ متروک جو۔ جب مستعمل رکھا۔ بتخفیف اور موسم بفتح سین متروک۔

میں نے سمجھا متروک میں سمجھا مستعمل۔ ہر کہیں متروک ہر جگہ مستعمل

یا الٰہی متروک الٰہی مستعمل، نہ تو متروک نہ مستعمل۔

بیتابی متروک بیتابی دل مستعمل، بے حجابی معشوق وغیرہ متروک

بے حجابی معشوق مستعمل

تنقید یہ جاہ مرحوم کی مسلم حیثیت نہ تھی اس وجہ سے ان متروکات

میں اکثر وہ ہیں جو ان سے پہلے اساتذہ ترک کر چکے ہیں

طرز اور شور و شر مذکر ہی بولتے ہیں دیجئے۔ دیکھیے دونوں

مستعمل ہے جو کہ جبکہ کبھی ترک نہیں ہوا۔ ہاں ایام بغرا ضافت

کوئی نہیں بولتا اور صرف یہی نہیں تمام الفاظ کا استعمال

اس طرح کرتے ہیں کہ ضم کا پہلو پیدا نہ ہونے پائے۔

کمال کی اصلاحیں

ان کے بعد جلال کے بیٹے کمال نے دیوان انتخاب گرامی طبع

لکھنوی ۱۳۲۵ھ میں اپنے متروکات کی فہرست یہ لکھی ہے۔ تمہید میں

وہ لکھتے ہیں۔

ناظرین بالغ نظر و دیدہ وران روشن گہر پر یہ امر

بھی واضح ولائح رہے کہ سلاست و فصاحت زبان

و لطافت و نزاکت بیان دل پذیری و دل کشی،

حسن بیان و خوبی کلام کا اپنے کلام میں باقاعدہ

لحاظ کیا گیا ہے اور بہ نیز ان الفاظ کو جو ذیل میں

تحریر کئے جاتے ہیں اور جو شعر میں آکر شعر کو فصاحت و بلاغت سے خارج اور پایۂ اعتبار سے ساقط اور بے وزن کر دیتے ہیں، نہیں لایا، فصحائے حال انھیں الفاظ کو اپنے کلام بلاغت نظام میں لانے سے سخت احتیاط واجتناب کرتے ہیں۔

متروکات

۱۔ آن کر، آں کے، "آکر، آکے" کے مقام پر

۲۔ از جو زائد کلام میں آجاتا ہے جیسے بعد از مرگ، بعد از وفات وغیرہ

۳۔ افشاں، خزاں، خنداں، دنداں، فغاں وغیرہ باعلان نون

۴۔ الفاظ فارسی و عربی مانند دریا، صحرا، ابرو، گیسو، بیتالی وحشی وغیرہ میں سے الف، واو، ی کا گرانا۔

۵۔ اوجیالا، بمعنی روشنی، "اوجالا" کی جگہ۔

۶۔ اوپر پر کے مقام پر

۷۔ انہوں پر، جنھوں پر، انہوں سے، جنھوں سے، انھوں میں جنھوں میں وغیرہ۔ ان پر، جن پر، ان سے، جن سے، ان میں، جن میں وغیرہ کی جگہ۔

۸۔ واو عطف کا ترجمہ بروزن فع۔

۹۔ اِس پاس، مجھ پاس وغیرہ اس کے پاس، میرے پاس، کے مقام پر۔

۱۰ - اہل، جو صاحب کے معنی پر ہے حالت اضافت میں اسکی ضمیر طرف مفرد کے پھیر کر استعمال کرنا۔

۱۱ - اٹھائیو، آئیو- وغیرہ - اٹھاؤ، آؤ کی جگہ -

۱۲ - اے جاں، میری جاں، باخفائے نون

۱۳ - بن - بغیر اور بے کی جگہ -

۱۴ - پاؤں، بروزن فعلن، یا فعلان -

۱۵ - پس مروں، بعد مروں، پسِ مرگ، بعدِ مرگ کے مقام پر -

۱۶ - پہ، بجائے پر -

۱۷ - پیار، پیاس، باظہار یای تحتانی، بروزن فعول وبسکون لام -

۱۸ - پیجیئے، دیجیئے، بروزن فعلن -

۱۹ - تب، جب کے مقابل میں -

۲۰ - تڑپن، تڑپ اور تلک تک کی جگہ

۲۱ - تو، جو، بواو مجہول، اظہار واؤ کے ساتھ -

۲۲ - جاناں، جانانہ، بغیر عطف و اضافت -

۲۳ - چلیو، سنبھلیو، وغیرہ چلو، سنبھلو کی جگہ -

۲۴ - دلا، زاہدا- وغیرہ سوائے ساقیا -

۲۵ - سدا، ہمیشہ کے مقام پر

۲۶ - سر، بالفتح جو ترجمہ راس کا ہے، صرف، بدون ترکیب -

۲۷ - سو، بواو مجہول بجائے تو -

۲۸ - سے، جو لفظ طرح کے بعد آتا ہے، جیسے اس طرح سے کس طرح سے وغیرہ -

۲۹- گر حرف شرط کے مقام پر۔
۳۰- ہائے مختفی کے اظہار سے۔
۳۱- لئے، بجائے نہ
۳۲- واؤ معروف و یائے معروف، بقافیہ واؤ مجہول، مثلاً شور، گور، بواؤ مجہول بقافیہ حور و نور۔ اور شمشیر بیائے مجہول بقافیہ تدبیر و تیر وغیرہ،
۳۳- وصلت، شب وصلت بجائے وصل، شب وصل،
۳۴- وہاں، یہاں بروزن فع یا فاع
۳۵- ہوئے۔ ہوئے، ہو کی جگہ۔
پشت سرورق دیوان کمال مسمی بہ انتخاب گرامی طبع لکھنؤ ۱۳۲۵ھ

عزیز کی اصلاحیں

مرزا محمد ہادی صاحب عزیز متوفی ۱۹۳۵ء تنوین کا قافیہ نون جائز سمجھتے تھے شو کو متروک نہیں سمجھتے تھے کہتے تھے کہ سو کا بدل اردو میں نہیں ہے۔ مذکر کے لئے ایک بیائے مجہول اور مونث کے لئے ایکی بیائے معروف یعنی ایکے سال اور ایکی فصل صحیح نہیں سمجھتے تھے دونوں کے لئے ایکی بیائے معروف صحیح سمجھتے تھے۔ سدا۔ مکھڑا۔ انکھڑیاں سمیت اور تلک کو بھی متروک نہیں سمجھتے تھے۔

محشر کی اصلاحیں

مرزا کاظم حسین صاحب محشر متوفی ۱۹ء نے آخر میں معشوق ترک کر دیا تھا اسکی جگہ محبوب لکھتے تھے اور مکھڑا انکھڑیاں سمیت اور تلک کا استعمال جائز سمجھتے تھے شو کو متروک سمجھتے تھے کہتے تھے کہ اس میں دیہاتی اور گنواری بو آتی ہے۔

مؤدب کی اصلاحیں

عسکری مرزا صاحب مؤدب متوفی ۱۹۵۳ء نے اپنی اصلاحیں ایک مرثیہ میں یہ نظم کی ہیں [1]

گرنا حروف غلط اصلی کا قہر ہے | اعلانِ نوں پہ عطف و اضافت نہ آنے پائے

[1] کلیہ کے طور پر یہ کہدینا صحیح نہیں کچھ الفاظ اعلان نون اور اخفائے نون دونوں طرح بولے جاتے ہیں جیسے فغاں۔ کماں۔ جوان۔ اسمان۔ مرکان۔ مکیں۔ دہن۔ جبیں۔ وغیرہ ایسے الفاظ جب مضاف الیہ یا معطوف علیہ ہونے میں اعلان نون مخل فصاحت ہوتا ہے جیسے آہ و فغاں چلہ کماں روئے زمیں۔ جبیں جبیں وغیرہ میں اخفائے نون ہے۔ مگر جب یہ مضاف ہوتے ہیں تو اعلان نون فصیح ہے جیسے فغانِ درویش۔ کمان کیانی۔ زمین وطن۔ جبین نیاز وغیرہ

کچھ الفاظ اعلان نون پر مبنی ہیں وہ اخفائے نون سے نہیں پڑھے جاتے جیسے محن۔ کہن۔ زمن۔ فتن۔ چمن۔ گلشن۔ سوسن نسترن نشیمن وغیرہ یہ عطف و اضافت کے بعد بھی اعلان نون سے پڑھے جاتے ہیں اور فصیح ہیں جیسے رنج و محن۔ چرخ کہن۔ شاہ زمن۔ دور فتن صحن گلشن۔ مرغانِ چمن۔

کچھ الفاظ اخفائے نون پر مبنی ہیں یہ ہر حالت میں اخفائے نون سے پڑھے جاتے ہیں جیسے خزاں۔ گریاں۔ نالاں خنداں۔ رواں۔ دراں۔ کہکشاں

میر علی اوسط رشک کے ایک شعر میں یہ تینوں مثالیں موجود ہیں ؎

نہ ہوا وقتِ خزاں ضبطِ فغان و نالہ
بات تھی حوصلہ مرغِ چمن سے باہر

ایک قاعدہ یہ قاعدہ بن سکتا ہے کہ اگر حروف علت میں سے کوئی حرف نون سے پہلے ہو تو عطف اضافت کے بعد اعلان نون مخل فصاحت ہے۔

اب لفظ ہم لوگوں میں تذکیر ہو گئی　　　　عورت بدل کے مرد کی تصویر ہو گئی

بعض اب رجز کی سطح کو تانیث کہتے ہیں۔

اردو کی فارسی سے اضافت بجا نہیں　　　　فرمایئے نظم شادی قاسم روا نہیں

ناسخ نے اردو اور فارسی الفاظ میں عطف و اضافت باستثنائے اسم خاص ناجائز قرار دیا۔ اس میں شک نہیں کہ کتاب موہن یا موہن و سوہن تو برا نہیں لگتا مگر کتاب برائی یا اچھی کو ذوق سلیم قبول نہیں کرتا۔

ناسخ کے شاگردوں کے بعد میر عشق نے ان عربی فارسی الفاظ میں بھی عطف و اضافت ناجائز قرار دی جنکے معنی اردو میں بدل گئے اور صوتی تغیر کوئی نہیں ہوا تھا مثلاً شادی کے معنی فارسی میں خوشی کے ہیں اور اردو میں عروسی کے میر عشق نے کہا کہ بیاہ کے معنی ہیں شادی اردو ہے اور اردو کی اضافت فارسی سے نہیں ہو سکتی لہٰذا شادی قاسم غلط ہے اسی طرح صف ماتم وغیرہ۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حسن زبان و حسن معنی کا نام ادب ہے۔ حسن زبان کو فصاحت اور حسن معنی کو بلاغت کہتے ہیں۔ عربی کے ایک انشا پرداز نے ایک فصیح جملہ کی تعریف میں کہا ہے۔ دخل الاذن بلا اذن کان میں بغیر اجازت کے داخل ہو گیا یعنی سامعہ نے فوراً قبول کر لیا اب دیکھنا یہ ہے کہ عطف و اضافت کا تعلق فصاحت سے ہے یا بلاغت سے یعنی معنوی ہے یا صوتی تو جب ہم کتاب خوب کہتے ہیں تو سامعہ فوراً قبول کر لیتا ہے اور کتاب اچھی کانوں کو ناگوار ہوتا ہے حالانکہ معنی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ معلوم ہوا کہ فصاحت کا تعلق معنوی نہیں بلکہ صوتی و غنائی ہے لہٰذا وہ عربی فارسی الفاظ جن کے معنی اردو میں بدل گئے ہیں لیکن صوتی تغیر نہیں ہوا ان میں عطف و اضافت سامعہ خراش نہیں ان کے جواز میں کوئی تامل نہیں۔ یہ خیال کہ معنی بدل جانے سے اردو ہو گیا اور اردو کی اضافت فارسی سے غلط لہٰذا یہ بھی غلط ہے کتنی غیر معتدل بات ہے کہ شادی قاسم مسرت قاسم کے معنوں میں صحیح اور عروس قاسم کے معنی میں غلط

بجا ور دد واؤ ہے دار و مدار میں

دنیا کے قافیے میں الف ہو کمال ہے ‏ کعبہ کی ہ[۲] پہ عطف و اضافت محال ہے

تنوین[۳] کے بھی نون کا لازم خیال ہے

کیونکر کرے نہ وقت رقم ہاتھ دفعتاً ‏ جب ہو چمن کے قافیہ کے ساتھ دفعتاً

جرّار[۴] کب لغت میں بہادر کو کہتے ہیں ‏ ترکیب سے جو سنتے ہیں غم دل پہ سہتے ہیں

---

[۱] موءدب صاحب نے دار کو ہندی سمجھا دار ہندی میں کوئی لفظ نہیں ہے یہ عربی ہے اسکے معنی گھر کے ہیں اس میں عطف و اضافت جائز ہے مثلاً صحت کا دار و مدار پرہیز پر ہے ۔ یعنی صحت کا گھر اور اس کا مدار پرہیز ہے اگر اس کا استعمال فارسی میں نہیں ہے تو نہ ہو ایسی بہت سی ترکیبیں ہندوستان میں وضع ہوئی ہیں جو فارسی میں نہیں ہیں جیسے رضامند عقل مند۔ حنا بندی۔ آئینہ بندی، چمن بندی دامن تیغ۔ تیغ دو پیکر، قلمدان ۔ اگردان پاندان ۔ ماہ نیم ماہ ۔ جنت نگاہ ۔ فردوس گوش، خشخانہ مژہ کا فور صبح صف ماتم، دار و مدار۔ ہندوستان کے اختراعات فائقہ ہیں ان کو غلط کہنا ذوق ادب سے محرومی اور زبان پر بہت بڑا ظلم ہے ۔

---

[۲] کعبہ کو معطوف و مضاف دونوں کہا گیا ہے

کعبہ و زمزم و میزاب و صفا و مرا ‏ میری فغاں سے نہ بچیں کعبہ و سومنات میں

قبلہ دیں و کعبہ ایماں مقتدائے و مطاع عالمیاں

اگر ہائے مختفی کی عطف و اضافت غلط ہے تو ہر جگہ ہونا چاہیئے۔ کعبہ ہی کو کیا خصوصیت ہے ۔

[۳] تنوین کا قافیہ نون تمام شعرائے اردو نظم کرتے ہیں صرف میر عشق کے حلقہ اثر میں ممنوع ہے

[۴] جرّار بہادر کے معنی میں اردو ہے اس پر عطف و اضافت نہ آنا چاہیئے، شادی قائم کی سی بات ہے ۔

ماتم کی صف بجا صف ماتم نہیں درست

اے اہل ہند تیغ دو پیکر میں ہے کلام
سوزاں کے ساتھ ہیئت بیں تاباں روا نہیں

تیغ و سنان خوب نہ دریائے خون ہے — باعطف وہ ہے اور باضافت یہ نون ہے

لکھنے میں ساقیا کا الف جب گرا دیا — نافہم بادہ خواروں کے دل کو مزا دیا

چپ ہے عروس نظم لگاڑیں بناؤ کو — بینی کی یا گرائیں کہ ابرو کے واؤ کو

حسنین کہیے کیوں حسنین اے جناب
سین حس کو تتمہ میں کیوں سکون ہو

معنوں میں اپنے عطف سے کرب و بلا درست — جب ہو علم مراد تو ہے کربلا درست

کرب و بلا نہ مدفن شہ اے حبیب ہے — ہاں کربلا میں قبر حسین غریب ہے

کب قافیہ درست بھلا بات ساتھ ہے
تک کہتے ہیں تلک نہیں کہتے ہیں منصفو

ہم صدر و سینہ کہتے ہیں چھاتی نہیں کہی — جز بحر و نہر جھیل کی کوشش نہیں رہی[1]

اپنے سخن کے باغ میں ندی بھی نہیں

---

[1] بحر۔ دریا۔ ندی۔ نالا۔ جھیل۔ تالاب نہر۔ یہ سب صورت و شکل میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اپنے نام سے سمجھی جاتی ہیں ان میں سے کوئی قابل ترک نہیں ہے بحر سمندر کو کہتے ہیں دریا کا پاٹ بڑا ہوتا ہے۔ ندی نالے سے بڑی اور دریا سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اودھ میں لُنا ندی اور بنارس و جونپور کے درمیان بہتی ندی ہے نالا وہ راستہ ہے جو برسات کا پانی اپنے بہنے کے لئے بناتا ہے۔ نہر کھودی جاتی ہے جھیل ایک بڑے قطعہ زمین پر پھیلا اور رکا ہوا پانی ہے۔ اگر جھیل کو متروک قرار دیا جائے تو کیا اسے بحر، دریا، ندی نالا یا نہر کہا جائیگا۔ ہندوستان میں دریاؤں، ندیوں نالوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ بڑی بڑی جھیلیں ہیں جہاں آبی پرندوں کا شکار ہوتا ہے

بھیّا نہ بیرن اپنے یہاں ہے کلام میں

بھینا نہ بھول کے کبھی مانجائے کہتے ہیں سن لیتے ہیں جو کوئی کچھ جلی دنج سہتے ہیں
جوبن نہ جیتون اور نہ مکھڑا کبھی کہا تب سو کہا نہ ہم نے مہابا کبھی کہا
لمبے ہوئے نہ گھوڑے کو دیٹا کبھی کہا

مجلس میں ہم پڑھے نہ کبھی ٹھٹ لگے ہوئے کب یہ کہا کہ رن میں ہیں اعدا ڈٹے ہوئے
اپنے کلام میں کبھی جھلبل نہیں پسند متوالا اتال، نظم میں جل تھل نہیں پسند
میداں کے ساتھ خاک بھی چٹیل نہیں پسند رعنا جوان کے ساتھ میں کڑیل نہیں پسند
یہ لفظیں صرف وہ کریں جو بیاری کہتے ہیں
نکھ سکھ نہ گھپ نہ ہم کبھی اندھیاری کہتے ہیں

نہوڑانا سر کا گر نہ کہا کچھ ضرر نہیں کیوں سیس لائیں نظم میں کیا لفظ سر نہیں
آنکھیں بچشم انکھڑیاں مدنظر نہیں کب سنکے ٹیٹ غم سے خمیدہ کمر نہیں
عباس جانتے ہیں سراپا الم ہیں ہم کیوں لونگ جائے ساق ہو ثابت قدم ہیں ہم
مجلس سنا چھلکتی ہے یہ کیا ہے صاحبو

بوڑی نہ ڈانڈ چوب شنا پھل کہا سدا

فیشن ہے اب تو وضع ہمارے یہاں کہاں

اپنے یہاں نہ جھب نہ کھبن ہے نہ ڈول ہے

ہے ڈیل ہی یہاں نہ یہاں لات دڑول ہے
مجلس کے اشتہار گئے پوسٹر رہے ؎۵

؎۵ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ بہت سے الفاظ آئے۔ ان میں کچھ چیزوں کے نام تھے جو ہندوستان میں نہ تھیں ترکی زبان سے قورما قلیا۔ سالن اسٹو۔ دوپیازہ، حلیم۔ یخنہ فرشی اور پیدا ہندوستان میں وضع ہوا۔ فارسی سے بورانی جلاؤ کشیر برنج وغیرہ زبان داخل ہوئی۔ مزعفر لکھنؤ میں وضع ہوا نہاری دہلی میں وضع ہوئی۔ بعد میں کلیجہ۔ شیرمال۔ باقرخانی یہ سب ہندوستان میں بنیں اس کے علاوہ بہت سی لفظیں اور ترکیبیں فارسی سے آئیں اور انگریزوں کے ساتھ بہت لفظیں آئیں کچھ تو ان کی ایجادوں ہی کے نام تھے جن کا بدل کوئی نہ تھا جیسے ریل ڈاک تار ٹکٹ ٹیلیفون۔ ریڈیو۔ ٹی وی وغیرہ کچھ چیزوں کا تلفظ بدل گیا جیسے ہاسپٹل سے اسپتال۔ ہوسٹل سے ہوٹل جس کو اب انگریزی داں اس کو ہاسپٹل اور ہوٹل کہنا صحیح نہیں یہ لفظیں اردو بن چکی ہیں انھیں اصل زبان کو واپس کردینا غلط ہے پوسٹر بھی انگریزی زبان سے آیا ہے۔ ہندوستان میں پوسٹر کہاں تھا اس کا مترادف اشتہار یا رقعہ نہیں ہے جو لفظ زبان میں داخل ہوگیا بعینہ یا ترمیم کے ساتھ اس کا ترک غلط ہے۔ ہاں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کا مرادف اور مترادف اردو میں موجود ہے جیسے باہر کے مریض۔ دوا۔ اسکوآؤٹ ڈور۔ پیسنٹ اور مڈیسن کہنا غلط ہے لیکن بیل۔ کنٹرول سائز کا مرادف اردو میں اس سے بہتر نہیں ہے اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں یعنی انگریزی الفاظ کا اردو میں

میر عشق نے بہت سی پابندیاں اپنے کلام میں عائد کر رکھی تھیں جن میں اکثر کو اس وقت کے شعرا نے قبول نہیں کیا تھا۔

مؤدب صاحب میر عشق کے پوتے اور ان کے جانشین تھے انھوں نے ان کی تمام پابندیاں اپنے اوپر لازم کرلی تھیں کچھ اپنی طرف سے اور اضافہ کیا تھا مگر میر عشق کی طرح ان کی پابندیاں بھی ان کے حلقہ اثر سے باہر نہیں نکلیں۔ مگر اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شعرائے لکھنؤ ہر زمانے میں زبان کی تزئین کی کوشش کرتے رہے۔

آرزو صاحب کی اصلاحیں

اور

علم تنسیق کلمات کی ایجاد

آرزو صاحب متوفی ۱۹۵۴ء نے پچیس برس تک زبان کی ساخت و ساز اس کے مزاج لوچ لچک اور سلاست و روانی پر غور کر کے علم تنسیق کلمات ایجاد کیا، جس میں متروکات پر بھی بحث کی ہے۔ یہ کتابی صورت میں پروفیسر مسعود حسن صاحب ادیب کے تعلیقات حواشی کے ساتھ نظام اردو کے نام شائع ہو چکا ہے جو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ مقدمہ اور حواشی حذف کر دیئے گئے ہیں

علم تنسیق کلمات

علم تنسیق کلمات علم بلاغت کا وہ شعبہ ہے جس میں اردو زبان کے لئے استعمال مترادفات کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اردو زبان متعدد زبانوں کے مختلف الوضع الفاظ کا ایسا مجموعہ ہے جو بجائے خود ایک مستقل زبان ہے جس کی وضع اور ساخت سمجھنے کے لئے دو چیزیں قابل لحاظ ہیں (۱) تحقیق اجزائے زبان (۲) تنسیق اجزائے مذکور۔

تحقیق اجزائے زبان - اجزائے زبان صرف وہی الفاظ ہیں جو جنھیں ذوق اہل زبان نے مزاج کے موافق پاکر بجنسہ قبول کرلیا ہے یا وہ الفاظ ہیں جنھیں موافق مزاج بنالیا ہے تمام الفاظ کسی زبان کے داخل اردو زبان نہیں، مثلاً پاؤں، گوڑ دونوں ہندی ہیں لیکن لفظ اول مستعمل اور لفظ دوم متروک ہے کہ اردو زبان کے موافق مزاج نہیں یا ابرو، میغ دونوں فارسی ہیں مگر پہلا جز زبان اور دوم جز و غیر ہے - یا بعض الفاظ ایک معنی میں داخل اردو ہیں اور دوسرے معنی میں خارج جیسے جھاڑ بمعنی آلہ روشنی مستعمل اور بمعنی درخت خارج یا منت بمعنی خوشامد داخل اردو اور بمعنی احسان خارج، الغرض جو الفاظ استعمال میں موجود ہیں وہی اردو زبان کے اجزائے ترکیبی ہیں ورنہ اجزائے غیر ہیں جو غریب و غیر مانوس کے نام سے ذکر کئے گئے ہیں۔

اجزائے ترکیبی میں وہ کلمات کہ خود ہی اردو زبان کے موافق مزاج ہیں دو طرح کے ہیں (۱) اجزائے حقیقی (۲) اجزائے غیر حقیقی اور وہ کہ موافق مزاج بنالئے گئے ہیں اپنے محل پر ذکر کئے گئے ہیں۔

تشریح اجزائے حقیقی و غیر حقیقی :- اجزائے حقیقی صرف ہندی، فارسی عربی زبانوں کے الفاظ ہیں جن میں ہر ایک کے بغیر تکمیل زبان محال ہے کہ اکثر الفاظ اپنے معنی میں منفرد اور بدل ان کے مفقود ہیں مثلاً گنگا کہنی پسلی، کوڑی وغیرہ ایسے ہی ہندی الفاظ ہیں جن کے بدل غیر ہندی نظر نہیں آتے یا شانہ، بازو، کمر، بازو بغل وغیرہ فارسی بھی ایسے ہیں جن کے بدل نہ ہندی پائے جاتے ہیں نہ عربی یا انتظار، اعتبار، اختیار وغیرہ عربی ہیں جن کے بدل نہ فارسی نظر آتے ہیں نہ ہندی، لہٰذا یہ اردو زبان کے اجزائے حقیقی ہیں جو اسکی بنیاد کو مشترکہ بنا رہے ہیں باقی تمام زبانوں کے الفاظ جو اردو میں بولے جاتے ہیں غیر حقیقی ہیں اجزائے حقیقی بھی دو طرح کے ہیں (۱) اصولی (۲) تکمیلی

تفریق اجزائے اصولی و تکمیلی :- اجزائے حقیقی میں صرف الفاظ ہندی و فارسی اجزائے اصولی ہیں کہ انھیں کی آمیزش سے اردو کا ہیولا قائم ہوا۔ اور انھیں کے قواعد صرف و نحو بھی اپنی اپنی حد میں جاری و ساری نظر آتے ہیں جو محل مناسب پر ذکر کیے جائیں گے اور اجزائے تکمیل زبان الفاظ عربی ہیں کہ اکثر قواعد ہندی و فارسی کے زیر اثر قلت لفظی کو پورا کرنے میں معین رسالہ کرتے ہیں۔

تفصیل اجزائے بنیادی و امدادی :- اردو کی اصل وہی زبان مانی جا سکتی ہے جس کے الفاظ سے بلا شرکت غیرے کوئی ایسا جملہ بن جائے جسے اردو کہہ سکیں یہ بات سوا الفاظ ہندی کے غیر ہندی کو حاصل نہیں مثلاً میر ؎

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

دیکھ لو کہ شعر بھر میں کوئی لفظ غیر ہندی نہیں اور مطلب ادا ہو گیا برخلاف اسکے کلمات غیر ہندی ہیں کوئی ایسا جملہ نہیں بنتا جس سے بغیر شرکت لفظ ہندی کے اردو کہہ سکیں مثلاً غالب سے

شمار سجہ مرغوب بت مشکل پسند آیا　　تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

اس شعر کا اردو کہا جانا حرف آمد کی جگہ آیا استعمال کرنے پر موقوف ہے اس تفصیل سے اردو زبان کے اجزائے بنیادی اور اجزائے امدادی کلمات ہندی ہیں عام اس سے کہ وہ فارسی ہوں یا عربی یا ان کے علاوہ ہندی سے کوئی خاص زبان مراد نہیں بلکہ اس لفظ میں یائے نسبتی ہے جو اندرون ملک کی تمام زبانوں کے ان الفاظ کو جو اردو میں مخلوط ہیں ملک ہند کی طرف منسوب کر رہی ہے مثلاً آٹا، بھاشا، تنہا گجراتی منڈا پنجابی، کیس بنگالی، چورن سنسکرت زبان کا لفظ ہے مگر اردو میں مناسبت ملک سے سب ہندی کہے جاتے ہیں اکثر بہ تغیر صورت وتبدل معنی سے امتیاز اصلیت باقی نہیں ہے۔

یہی حالت فارسی کی ہے جس میں رستم، سہراب وغیرہ ژندی۔ چلم، چق، قرق وغیرہ ترکی زبان کے الفاظ پہلے سے مخلوط تھے اور اسی حکم میں مانے جاتے تھے بعد کو عربی الفاظ کے ساتھ اوم سریانی، یوسف عبرانی، اسطرلاب وغیرہ یونانی زبان کے الفاظ شامل ہو گئے مگر مخلوط فارسی میں کسی زبان کے الفاظ کو کوئی خاص امتیازی حیثیت نصیب نہ ہوئی سوا الفاظ عربی کے کہ وہ اصلی صورت میں اس کثرت سے اپنے کو پہنچا رہے ہیں کہ انھیں بھی اجزائے حقیقی میں ایک جزو مستقل شمار کرنا پڑتا ہے باقی تمام ممیز الفاظ کہ مذکور ہوئے یا غیر ممیز

کہ تحقیق میں نہیں آئے اسی طرح اردو کے جزو ذات بن گئے ہیں جس طرح ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں جذب ہو جایا کرتے ہیں جس کے ظاہرا دو طریقے ہیں ایک اپنی اصل کو گم کر دینا جیسے شطرنج کہ معلوم نہیں کس زبان کا لفظ ہے لہٰذا اب وہ جس زبان میں بولا جائے اسی کا جزو ذات ہے (۲) قبول اثر کے بعد متغیر ہو کر اپنی اصل سے غیر ہو جانا جس طرح اجزائے حقیقی میں کلمات غیر ہندی خود بخود بعد تغیر ذات حکم ہندی میں آجاتے ہیں اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ وہ بلا تغیر زبان کے موافق مزاج نہ تھے۔

تغیرات اجزائے زبان:۔ کلمات غیر ہندی میں فارسی و عربی اجزائے امتیازی ہیں جو اپنی اصلیت اور اردو کی مشترکہ بنیاد دونوں کے شاہد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلا تغیر اپنے اپنے نام سے ذکر کئے جاتے ہیں یعنی فارسی فارسی اور عربی عربی کہلاتے ہیں لیکن بعد تغیر دو ناموں سے موسوم ہوتے ہیں (۱) ایک مہندی صوری (۲) مہندی معنوی۔ قسم اول کو اردو بھی کہتے ہیں تغیرات صوری بعض مستقل ہیں بعض غیر مستقل، مستقل وہ تغیر ہے جس سے لفظ اپنی اصل کی طرف عود نہ کرے یعنی اصل صورت میں وہ نہ بولا جاتا ہو جس کی کئی صورتیں ہیں۔

(ا) کسی حرف کا کم ہو جانا جیسے صابون سے صابن۔ آخوند سے آخون۔ (ب) کوئی حرف بڑھ جانا جیسے ناخن سے ناخون (ج) حروف میں کچھ تبدیلی ہو جانا جیسے ہودج سے ہودہ (د) حروف و حرکات دونوں میں کچھ تبدیلی ہو جانا افشردہ سے آبشورہ۔ افیون سے افیم، منارہ سے مینار۔ لیکن صرف حرکت کی تبدیلی یا تخفیف سے لفظ کی اصلیت مٹتی ہے نہ وہ اردو کہا جا سکتا

ہے۔ جیسے عنوان، عُذار، کلمہ، ملکہ کی اصل میں یہ عنوان، عِذار، کَلِمہ، ملکہ ہیں۔ اس طرح کے الفاظ بہت ہیں جو محاورۂ عام میں غلط العام کہے جاتے ہیں اب اہل تحقیق انھیں غلط نہیں سمجھتے یہ اور بات ہے کہ بعض محتاط لفظوں کی ان کی اصل پر نظر رکھ کر ان کی وضعی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ (ہ) صورت و معنی بدل جانا مثلاً آرمان ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی وضعی حسرت و افسوس کے ہیں مگر اردو میں الف غیر ممدودہ اور اعلان نون کے ساتھ اَرمان بولا جاتا ہے اور تمنا کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے باکسر بسکون دوم وسوم ٹوٹ پھوٹ کے معنی میں عربی ہے مگر بفتحین کسر کمی کے معنی میں مہند ہے یا صحیح معنی معروف میں عربی اور سہی یہ نہ سہی - وہ سہی مہند ہے۔ بس یہی تغیرات ہیں جن سے دوسری زبانوں کے الفاظ اردو کے موافق مزاج بن کر مستقلاً اس کے جزو ذات ہو جاتے ہیں۔

غیر مستقل وہ تغیر ہے جس سے لفظ پھر اپنی اصل کی طرف عود کر سکتا ہے یہ تغیرات کسی جزو کے اضافے سے رونما ہوتے ہیں جو چند ہیں (ا) مصدروں کا اختراع اور صیغوں کا اشتقاق جیسے قبولنا، بخشنا، نوازنا شرمانا، گرمانہ وغیرہ۔ (ب) (اسم مذکر) بنانا جیسے فیض سے فیضو، بخشش سے بخشو، رحم سے رحمو بہ واو معروف (ج) (اسم مونث) بنانا جیسے نصیب سے نصیبن، شریف سے شریفن یا رحم سے رحیمن، بخت سے بختو بہ واو مجہول (د) مصغر کرنا جیسے دیگ سے دیگچی، چمچہ سے چمچی، وغیرہ بیائے معروف (ہ) واحد کی جمع بنانا جیسے شیشے، غنچے، یا شمعیں، بلبلیں وغیرہ۔

مذکورہ بالا ہر صورت غیر مستقل ہے کہ جب لفظ سے جز و زائد دور کر دو تو وہ پھر اپنی اصل کی طرف عود کر جائے گا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لفظ کسی قاعدہ ہندی کے زیر اثر ہوگا وہ صورت حال میں اردو کہا جائے گا بس۔

مہند معنوی۔ وہ کلمات غیر ہندی ہیں جن کے معنی اردو میں بدل گئے ہیں۔ مثلاً روز گار، بمعنی ذریعہ معاش۔ بغیر ترکیب فارسی لائق استعمال اردو ہے اور بمعنی زمانہ فارسی ہے جو بغیر ترکیب فارسی مستعمل نہیں ہوتا۔ مثلاً گردش روز گار، یا عرصہ بمعنی میدان عربی اور بغیر ترکیب فارسی لائق استعمال نہیں مگر بمعنی مدت مستعمل ہوتا ہوتا ہے۔ غالب سے

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو　　عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کئے ہوئے

یا نعلین وحور صیغہ ہائے تثنیہ و جمع کا واحد کے معنوں میں بولا جانا کیونکہ دونوں کا واحد نعل وحور مستعمل نہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی جمع نعلین وحورین بھی مستعمل ہے جسے جمع الجمع سمجھنا غلط فہمی ہے۔

ہندی الفاظ ہر حالت میں ہندی کہے جاتے ہیں کہ وہی اجزائے بنیاد زبان ہیں اگرچہ ان میں بھی اسی طرح تغیرات صوری و معنوی موجود ہیں۔ جیسے بادر سے بادل، تروار سے تلوار۔ چندر سے چاند وغیرہ تغیر صوری کے شاہد ہیں یا چورن سنسکرت میں آٹے کو کہتے ہیں مگر اردو میں خاص قسم کی دوائے ہاضم کا نام ہوگیا۔ یا منڈا پنجابی میں لڑکے کو کہتے ہیں اور اردو میں ہر ایسے شخص کو جو سر کے بال صاف کرا دے۔ اس بحث سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ کلمات غیر ہندی

کا عموماً اور ہندی الفاظ کا خصوصاً اپنی اصل سے ہٹ کر صحیح اور فصیح قرار پانا اردو کے مستقل زبان ہونے کی قوی دلیل ہے۔

اختراعات :۔ جب اردو ایک مستقل زبان بن گئی تو اختراعات بھی شروع ہو گئے مثلاً جھل بہل، گہما گہمی، الم غلم، افراتفری، اناپ شناپ، اختر بختر، انجر پنجر یہ الفاظ نہ یہاں موجود تھے نہ کہیں سے لئے گئے بلکہ ضرورت معنی کے اختراع کا سبب بنی۔ ان لفظوں کو سوا اردو کے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

بحث اضافۂ الفاظ :۔ وقت ضرورت لفظ کا اضافہ اکثر غیر ہندی سے ہوتا ہے اور قبول اثر کے بعد وہ حکم ہندی میں آجاتا ہے کیونکہ ہندی سے اردو کی بنیاد پڑی اور غیر ہندی سے اس کی ترقی ہوئی اسی ضرورت سے انگریزی الفاظ بھی اردو میں داخل ہوئے اور برابر شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اگرچہ کثرت تعداد سے نمایاں اور قلت لفظی کو دور کرنے میں مثل فارسی وعربی کے معین ہیں مگر انھیں کوئی امتیازی درجہ نصیب نہ ہوا کیونکہ یہ اس وقت آ کر زبان میں شامل ہوئے جب اردو اردو ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہ اضافہ ان ناموں تک محدود رہا جو نو ایجاد چیزیں اپنے ساتھ لائی ہیں، مثلاً موٹر، انجن، سائیکل وغیرہ۔ یا ان اصلاحوں پر موقوف رہا جن کے بدل اردو میں موجود نہیں جیسے ڈگری اپیل وغیرہ ان میں بعض کی جگہ دوسرے الفاظ قائم ہو گئے جیسے ایروپلین کی جگہ ہوائی جہاز بولا جانے لگا اور بعض میں عام لہجہ کے زیر اثر تبدیلیاں ہو گئیں جیسے لین ٹرن سے لالٹین ہو کر ثقالت دور ہو گئی۔ یہی حالت معنوی تبدیلی کی ہے مثلاً گلاس شیشہ کو کہتے ہیں مگر اردو میں ظرف آب کی وضع خاص کا نام ہو گیا جس کے لئے شیشہ

کا ہونا بھی ضروری نہ رہا اب یہ الفاظ جزو زبان ہو گئے لیکن بعض الفاظ اپنی جگہ پر قائم ہیں کہ نہ ان کی جگہ دوسرے الفاظ نے لی نہ ان میں کوئی تغیر ہوا۔ اگر غور و فکر سے کام لیا جاتا تو اختراعات ناممکن نہ تھے مثلاً پروگرام کی جگہ نظام عمل بولنے سے وہی مفہوم بے کم و کاست ادا ہو جاتا ہے مگر اضافہ غیر ضروری مخرب زبان ہے مثلاً مشق کی جگہ پریکٹس بولنا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ اس طرح نہ زبان ایک حالت پر قائم رہ سکتی ہے نہ وہ علمی زبان مانی جا سکتی ہے نہ اس کا سرمایہ تصنیف و تالیف کارآمد رہ سکتا ہے۔ بس یہ ہے حد اجزائے زبان جس سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔

اجزائے زبان باعتبار نقص و کمال:۔ اجزائے زبان اپنے نقص و کمال کے اعتبار سے دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ اپنی وضع پر قائم اور انفراداً لائق استعمال ہیں جیسے ہار جیت وغیرہ ان کو مفردات تامہ کہتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں کہ انفراداً صلاحیت استعمال نہیں رکھتے۔ یہ اجزائے ناقصہ کے نام سے ذکر کئے جائیں گے۔

بیان ناقصات:۔ ناقصات کئی طرح کے ہوتے ہیں (۱) وہ کہ وضعی صورت پر اپنے معنی آپ نہ ظاہر کر سکیں جیسے درد انگیز، وحشت انگیز، فیل بان، عطر دان، لالہ زار، ہوشیار، مالدار۔ گاڑیکاوان وغیرہ میں جزو دوم یہ الفاظ غیر مستقل کہلاتے ہیں (۲) وہ کہ بسبب تخفیف کے اظہار معنی میں عاجز ہوں جیسے بے آبان سے بیابان ہو کر اسکے اجزائے ترکیبی نہ علیحدہ نظر آتے ہیں نہ اپنے معنی آپ ظاہر کر سکتے ہیں۔ پانی کے گھاٹ سے پنگھٹ بن کر دونوں مفردات تامہ بن گئے یا دھوم دھڑکا میں

جزو دوم دھڑا کا سے دھڑ کا بن کر ناقص ہو گیا اور نہیں پر تو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ مرکب ہے حالانکہ نہ اور ہی سے بنائے گئے ہیں جن میں نہ حرف نفی اور ہی ایسا لفظ ہے کہ اسم کے ساتھ حصر اور معنی کے ساتھ تاکید کا فائدہ دیتا ہے جو کثرت استعمال سے مخفف ہو کر نہیں بن گیا ہے۔ مثلاً بغیر تاکید کہیں گے "کہ یہ کام نہ ہوگا" اور جب نفی پر زور دینا ہوگا تو یوں کہیں "یہ کام نہیں ہوگا۔ مگر وہ مفرد کے شبہ میں بلا تاکید بھی استعمال ہوا کرتا ہے۔

اس قسم کے مرکب اردو میں بہت ہیں جیسے، یہ۔ یہاں سے یہاں، وہ ہاں سے وہاں، ہم، ہی سے ہمیں۔ تجھ ہی سے تجھی، وغیرہ (۳) وہ کہ ان کی ہستی دوسری ہستی کے ساتھ وابستہ ہو۔ یہ تابع مہمل کہلاتے ہیں

تابع مہمل لفظ موضوع کی اس بگڑی ہوئی صورت کا نام ہے جو تائید معنی کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر لفظ موضوع اسم ہے تو کثرت اور فعل ہے تو شدت کے معنی ظاہر ہوں گے۔

توابع سماعی بھی ہیں اور قیاسی بھی، سماعی وہ ہیں جو غیر مقرر حروف کی تبدیلی کے ساتھ پائے جاتے ہیں جیسے نالا، کھولا، رونا دھونا، آن بان، بولنا چالنا، دیکھنا بھالنا وغیرہ، قیاسی وہ ہیں کہ حسب ضرورت بنا لئے جاتے ہیں جس کے دو طریقے ہیں (۱) یہ کہ اگر لفظ موضوع کا حرف اول واؤ ہے تو پہلے کو الف سے بدل کر اول میں بولیں گے جیسے احشت وحشت (۲) اگر حرف اول الف ہے تو واؤ سے بدل کر بولیں گے آدمی وادمی اور اگر حرف اول الف ہے نہ واؤ تو اسی قیاس پر الف سے بدل کر یا واؤ سے بدل کر آخر میں بولیں گے مثلاً اہلو پہلو اغلی تغلی گھوڑا دوڑا ارگڑی دگڑی ایسے الفاظ بھی ہیں کہ انفراداً دو مہمل ہیں

مگر ہئیت ترکیبی میں ایک دوسرے کے ساتھ معین ہو کر کسی خاص معنی کا فائدہ دیتے ہیں، ابر ہر، الم غلم، انجر بنجر، اختر بختر، گھما گھمی وغیرہ

(۴) ایسے الفاظ بھی ہیں کہ اظہار معنی میں عاجز نہیں مگر انفراداً غیر مانوس معلوم ہوتے ہیں جن میں بعض کثرت استعمال سے معروف اور بعض قلت استعمال سے غیر معروف ہیں۔ معروف وہ ہیں جو مثل کلمہ غیر مستقل غیر مقرر الفاظ کے ساتھ ممزوج اور مربوط پائے جاتے ہیں، مثلاً نیلی فام، لالہ فام، چراگاہ، نشست گاہ میں جزو دوم اس بحث میں کلمات عربی و فارسی مخلوط نظر آتے ہیں، مثلاً خیمہ گاہ، سیرگاہ، ارادت کیش عقیدت کیش وغیرہ جزو اول عربی ہے۔

غیر معروف وہ کلمات ہیں جو مثل تابع مہمل کے اپنے مقررہ الفاظ کے سوا غیر مقرر کلمات کے ساتھ موانست نہیں رکھتے۔ مثلاً صبح و مسا شام و بیگاہ شب یلدا، زلف چلیپا وغیرہ میں جزو دوم اور بگڈنڈی میں دونوں غیر معروف ہیں۔ اگر ان کلمات کو غیر مقرر الفاظ کے ساتھ لو تو مہمل معلوم ہوں گے مثلاً بیگاہ و مساء، شام یلدا گیسوئے چلیپا بس یہی ناقصات اردو ہیں

مرکبات اردو زبان:۔ مرکبات اردو بھی دو طرح کے ہیں (۱) امتزاجی (۲) غیر امتزاجی۔ امتزاجی وہ مرکب ہے جس کے ایک یا دو اجزا میں سے یا دونوں صورت حال میں انفراداً لائق استعمال نہ ہوں جس کی مثالیں ناقصات کی بحث میں آچکیں۔ صرف قسم چہارم کی مثالیں اس تعریف میں نہیں آئیں۔

غیر امتزاجی وہ مرکب ہیں جن کا جزو کوئی ناقص نہ ہو۔ یہ بھی دو طرح کے پائے جاتے ہیں ایک تو وہ جن کی ہئیت ترکیبی ہندی و فارسی میں ایک سی ہوتی ہے مثلاً

ترکیب	توصیفی	مفعولی	اضافی	ظرفی	فاعلی
فارسی	خوش نصیب	دل سوختہ	شوق نامہ	قمار خانہ	تیغ زن
ہندی	ہنس مکھ	دل چلا	جل بانک	ناچ گھر	لٹھ مار

اس طرح کے جتنے مرکب غیر ہندی ہیں اتحادِ ہیئت ترکیبی سے اپنے ہم صورت فارسی مرکبات کی طرح ہندی کی علامت جمع قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثلاً خوش نصیبوں، دل سوختوں، صاحب دلوں، شوق ناموں، قمار خانوں وغیرہ بولے جاتے ہیں اور فصیح معلوم ہوتے ہیں لہٰذا ایسے مرکبات کو ہم اپنی اصطلاح میں مرکب مماثل کہیں گے۔ دوسرے وہ مرکب ہیں کہ ان کی ساخت ہندی و فارسی میں الگ الگ ہے۔ جیسے مہر و وفا میں واؤ عاطفہ اور دست دعا میں کسرۂ اضافت ایسی علامتیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ منقولات سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی جمع بھی ہندی قاعدے سے نہیں بنتی اور بناؤ بھی تو مہمل معلوم ہوتی ہے مثلاً مہر و وفاؤں دست دعاؤں بولنا نہ صحیح ہے نہ فصیح لہٰذا یہ مرکب مغائر کہہ کے ذکر کئے جائیں گے۔

بعض صورتیں اسکے خلاف بھی پائی جاتی ہیں مثلاً ع

کون لیتا ہے خبر بے سرو سامانوں کی یا ع

قفس میں لائی کشش مجھکو آب و دانہ کی" تو انھیں مستثنیات سے سمجھنا چاہیئے۔ اور بہتر یہی ہے کہ ان سے احتراز کیا جائے

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے جو ہیئتیں ہندی و فارسی میں ایک سی ہیں اگران کے افراد مختلف بھی ہوں تو غلط نہیں مثلاً دل اداس، تار گھر، اختر

نگر، جوش بھرا، دماغ جلا وغیرہ ؎

میری گرمی اس سے اپرج ہے　　　　کس سے ملتا ہے وہ دماغ جلا

اس طرح کی ترکیبوں کو ترکیب فارسی خیال کرنا غلط فہمی اور انھیں غلط، کہنا اپنی غلطی ہے۔ اس تمام تحقیقات سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ مفردات سے دائرہ زبان قائم ہوا اور مرکبات سے اسکی تزئین و تکمیل ہوئی۔

متروکات کا بیان:- قبل اس کے بحث استعمال الفاظ کا آغاز ہو ایسے الفاظ کا ذکر بھی ضروری ہے جن کا استعمال کسی وجہ سے نادرست ہو وجوہ مختلف ہیں۔ (۱) یہ کہ لفظ غلط ہو (۲) یہ کہ غیر مانوس ہو (۳) یہ کہ زاید ہو۔ ان میں بعض کا ترک ضروری اور بعض کا ترک اولیٰ ہے۔

معیار صحت کلمات:- ہر لفظ اپنی اصل سے ہٹنے کے بعد یا صحیح خیال کیا جاتا ہے یا غلط سمجھا جاتا ہے۔ صحیح وہ لفظ ہے جو ہر حالت میں بلا اختلاف عام و خاص ایک طرح بولا جاتا ہو اگر اس میں تغیر صوری ہے تو اردو ہے اور معنوی تبدیلی ہے تو ہندی ہے صرف اعراب کی تبدیلی کوئی چیز نہیں ہے کہ اسے نئے نام سے موسوم کیا جاتا۔ جیسا کہ تغیرات اجزا کی بحث میں بیان ہو چکا۔

غلط وہ الفاظ ہیں جنھیں خواص اصل کے مطابق بولتے ہیں اور عوام جس طرح چاہتے ہیں بولا کرتے ہیں جیسے کباب شوربا کو کواب اور شروا یا بے سمجھ کرنا کچھ یا نسوت کے قیاس پر نخالص بولنا۔ یہ سب صورتیں غلط ہیں زبانوں کی وضع بھی صحیح نہیں نہ کسی زبان کے مخصوص حروف کا امتزاج غیر زبان کے کلمات کے ساتھ درست نہیں۔ صرف ناسمجھ نو عمر کے معنی میں غلط نہیں کہ وہ محاورہ اردو ہے یا دو حروف کہ ہندی و فارسی

ؔ کواب شروا، نیبو، تندور، نگھم۔ افیم لکھنؤ میں خاص و عام سب کی زبان پر ہے۔ اس کو غلط کہنا صحیح نہیں ہے۔ خود آرزو صاحب نے نگھم باندھا ہے نگھم بات پہیلی ایسی اگر کواب شروا وغیرہ غلط ہے تو نگھم صحیح کیسے ہو جائے گا۔

میں ایک معنی میں ایک ہی طرح مستعمل پائے جاتے ہیں، مثلاً نہ تھا، نہ بود میں "نون" نافیہ۔ بیڈھب بید میں یائے نافیہ، لالی۔ سرخی میں یائے نسبتی وغیرہ یا جن میں مشترکہ حالت پائی جائے قابل تامل نہیں

ناقصات میں بھی غیر ہندی کا خلط ہندی لفظ کے ساتھ نہیں جائز لہٰذا دکھ روہ، سنسنی خیز، گاڑی بان، وغیرہ کی ترکیب غلط ہے سوا بعض ناقصات کہ وہ اسم صفت، اسم، اسم فاعل، اسم ظرف وغیرہ بنانے کی ضرورت سے لائے جاتے ہیں جیسے جھالردار، چمکدار، برچھی دار، بلم بردار، بٹیر باز، رنڈی باز، کمل پوش، کھدر پوش، پان دان، اگالدان مودی خانہ، چڑیا خانہ، وغیرہ میں جزو دوم۔ یہ بھی اس وقت کے لئے ہے جب دوسری صورت نہ بنتی ہو مثلاً دکھ زدہ کی جگہ دکھ بھرا، دکھیارا۔ سنسنی خیز کی جگہ دہشت خیز، گاڑی بان کی جگہ گاڑی وان پہلے سے موجود ہے لیکن ناقصات ہندی کا خلط غیر ہندی کے ساتھ درست ہے۔ مثلاً فیل بان کی جگہ فیل وان کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو کی ترکیب اصلی ترکیب ہندی ہے پھر بھی کسی کلمہ سے اس کا جزو ممزوج علیحدہ کرکے جزو غیر شامل کرنا عبث بلکہ مذموم ہے۔ بعض اغلاط ترکیبی خصوصیات ترکیبات کے تحت میں بیان ہوں گے کہ ابھی ذکر ان کا قبل از وقت ہے۔

تعریف غیر مانوس:۔ غیر مانوس وہ کلمہ ہے جو اپنے مترادف کے مقابلہ میں ثقیل، یا کریہہ یا غریب ہو۔

ثقیل وہ ہے کہ بولا جاتا ہو مگر بدل اس کا سلیس و فصیح موجود ہو جیسے کڑاڑا اور سنسناہٹ ثقیل ہونے سے قابل ترک ہے اور کڑکڑا، سنسنی، سلیس ہے اس لئے لائق استعمال ہے لیکن جس لفظ

کا بدل نہ ملے وہ نہ ثقیل ہے نہ لائق ترک جیسے اڈا گڈا وغیرہ۔

کریہ وہ لفظ ہے جو عوام بولتے ہوں اور خواص اس سے احتراز کرتے ہوں جیسے جھانپڑ۔ لپٹر۔ لیوٹا کرخاص شہدوں اور لنگاروں کی اصطلاحیں ہیں کہ تیٹر کسی خاص طبقہ کی اصطلاح نہیں لہٰذا قابل استعمال ہے۔

غریب وہ لفظ ہے کہ بدل اس کا بولا جاتا ہو اور وہ خود کبھی زبانوں پر نہ آتا ہو جیسے ابرو میغ پھین اور جھاگ میں لفظ دوم بولا نہیں جاتا لہٰذا غریب اور لائق ترک ہے۔

تعریف زائد: ۔ زائد وہ لفظ یا جزو ہے جس کے استعمال کا کوئی فائدہ نہ ہو جیسے کدھر کو میں "کو" کیونکر سے میں "سے" ہووے میں "وے" زائد ہے مثلاً۔ ع اس یار کے ملنے سے حسرت نہ مٹی دل کی۔ مصرع مذکور میں یار خود ایسا کلمہ تخصیص ہے جو ذات معشوق کی طرف اشارہ کر رہا ہے لہٰذا "اس" نہ کوئی معنوی فائدہ دیتا ہے نہ حسن بیان میں اضافہ کرتا ہے مگر ایسے الفاظ کہ کچھ فائدہ دے رہے ہوں زائد نہیں مثلاً اس جملہ میں "میں آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں" "آنکھوں سے" بظاہر حشو ہے مگر اپنے یقین پر زور دینے کی صورت میں حشو نہیں۔

بعض اجزائے زائد کچھ ایسے جزو کلمہ بن گئے ہیں کہ زائد معلوم ہی نہیں ہوتے جو غیر اردو بھی ہیں جیسے ہجران کا "الف نون" اور اردو بھی جیسے گوری کی "ی" نصیبا کا "الف" صبا لکھنوی ؎

جا کے گلزار سے صیاد پھر آیا الٹا　　　کیا نصیبا ہے ترا بلبل شیدا الٹا

ان سے احتراز ضروری نہیں۔

وہ الفاظ جن کا ترک مضر ہے :- متروکات کی بے اصولی فہرستوں میں ایسے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جن میں بعض کا ترک مخل فصاحت اور بعض کا ترک مضر زبان ہے (۱) وہ الفاظ جن کا بدل نہ ہو کسی طرح قابل ترک نہیں جیسے سُو کہ اس کا مفہوم ہر جگہ وہ اور تو سے ادا نہیں ہوتا۔ ؎

میرے خالق نے مرے سر پہ یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

لہٰذا ترک کی مضرت ظاہر ہے اسی طرح "تئیں" ضمیر متکلم کے ساتھ "کو" کے معنی میں ترک کر دینے سے اب تک اظہار مفہوم کی کوئی اچھی صورت نہ بنی مثلاً "آپ کو" کہنے میں ضمیر مخاطب کا دھوکا ہوتا ہے "اپنے آپ کو" تو بالکل مہمل ہے۔ اپنے کو درست ہے پھر بھی تکلف پایا جاتا ہے۔ مگر یہی آخری صورت غنیمت ہے (۲) جس لفظ کی قائم مقامی دوسرا لفظ نہ کر سکے۔ وہ بھی قابل ترک نہیں مثلاً فعلن فعلن کے وزن پر ہنسکے کی "ی" جس کا اظہار مخل فصاحت ہے ظاہر ہو گی اور ہنسکر کی "ر" جس کا اسقاط درست نہیں گر جائے گی اسی طرح غیروں کے وزن پر "پاؤں" غیر فصیح اور پیروں فصیح ہے لہٰذا نہ کر قابل ترک ہے نہ "پیر" کہ دونوں کا ترک بے محل اور مخل فصاحت ہے۔

(۳) ہر طبقہ کی زبان کے خاص الفاظ کا استعمال یوں درست نہیں مگر نقل قول کے وقت ان کا استعمال قبیح کیسا بلکہ بلیغ ہے ؎

یوں پکاریں ہیں مجھے کوچہ جاناں والے
ادھر آبے ابے او چاک گریباں والے

مصرع ثانی نقل قول ہے ان بازاریوں کا جن کی بیہودگی کا ایک

مہذب عاشق کو شکوہ ہے۔

تنسیق اجزائے زبان :-

داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

اردو زبان جس طرح مختلف قوموں کے تعلقات سے ان کی گفتگو کے لئے ایک نئی وضع کی مشترکہ زبان بن گئی ہے اسی طرح اس کے مختلف الوضع الفاظ کی باہمی موانست بھی ان اصول استعمال پر منحصر ہے جو ایک حد تک اسی زبان سے خصوصیت رکھتے ہیں۔

ہر بحث میں اگرچہ پہلی چیز معنی اور دوسری چیز لفظ ہے مگر ابتدا ذکر لفظ ہی سے ہوا کرتی ہے کہ وہی اظہار معنی کے لئے ایک علامت ہے سلسلۂ کلام میں تمام کلام کی باہمی چسپیدگی دو چیزوں پر موقوف ہے (۱) ربط معنوی (۲) موانست لفظی۔

بحث ربط معنوی :- ربط معنوی اس علاقۂ ترتیب کلمات کا نام ہے جس پر اظہار معنی ارادی کا انحصار ہے وہ ربط کہیں ترکیب ہندی کے ساتھ ہوتا ہے کہیں ترکیب فارسی کے ساتھ ترتیب کلمات کے وقت ہر لفظ میں دو حالتوں کو دیکھنا چاہیئے (۱) جنسیت لفظ یعنی وہ ہندی ہے یا فارسی یا عربی یا ان میں سے کسی ایک حکم میں ہے (۲) جنسیت لفظ

جنسیت لفظ :- بحث جنسیت الفاظ میں ربط معنی کے وقت اگر دو لفظ ایک زبان کے ہیں تو ہم جنس اور مختلف ہیں تو غیر جنس اور ایک دوسرے کے حکم میں ہیں مثلاً ہندی اور اردو تو داخل جنس ہیں اگر دونوں طرف لگاؤ رکھتے ہیں مثلاً مہندی تو شریک جنس اور اگر بنیاد

زبان کے بیشتر سے ایک دوسرے کے زیر اثر ہیں مثلاً عربی الفاظ فارسی کے ساتھ تو شامل جنس کے نام سے ذکر کئے جائیں گے۔

حیثیت لفظ:۔ لفظ کسی جنس سے ہو دو حیثیتوں سے خالی نہیں ہو سکتا یا یہ کہ وہ بے تکلف زبانوں پر آتا ہو جیسے صبح اسے معتدل کہیں گے کہ اسی قسم لفظ سے دائرہ اعتدال زبان پر قائم ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے بولنے والوں سے مراد ادباء ہیں جنھیں صحت الفاظ کا خیال رہتا ہے خواہ وہ اہل زبان میں سے ہوں یا زبان دانوں میں سے بشرطیکہ انھوں نے بولنے اور لکھنے کی زبان ایک کرلی ہو۔ جب ملک بھر میں کہیں بھی کوئی زبان ایک صورت اختیار نہیں کر سکتی تو اردو پر بھلا یہ بوجھ کیونکر ڈالا جا سکتا ہے۔

معتدل الفاظ ہندی ہوں یا غیر ہندی مفرد ہوں یا مرکب زبان کے اجزائے ذات ہیں اور انھیں سے دائرہ اعتدال زبان پر قائم ہوا ہے اور غیر معتدل سے دائرہ زبان تزئین کے ساتھ وسیع ہوا ہے۔ الفاظ کی تفریق خود ظاہر کر رہی ہے کہ ان کا باہمی ربط بھی ایک طرح کا نہیں ہو سکتا لہٰذا خصوصیات ترکیب ہندی و فارسی کا ذکر بھی ضروری ہے کہ کونسی ترکیب کس محل پر ناجائز، کہاں جائز، کہاں واجب اور کہاں مستحسن ہے۔

خصوصیات ترکیب ہندی و فارسی:۔ ترکیب ہندی تمام الفاظ میں بلا امتیاز جنس عام ہے جس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہو سکتی کہ اردو کی ترکیب اصل یہی ہے لیکن قسم غیر معتدل میں سوا خاص حالتوں کے جو اپنے محل پر بیان ہوں گی ترکیب ہندی درست نہیں۔

ترکیب فارسی کلمات غیر ہندی سے مخصوص ہے جو بعض لفظوں میں ناجائز۔ بعض میں جائز، بعض میں ضروری اور بعض میں مستحسن ہے۔ کلمات ہندی میں ترکیب فارسی درست نہیں کہ یہ اجزائے بنیاد زبان ہیں اور ان کے استعمال کے لئے ہندی کے مکمل قاعدے اردو میں موجود ہیں مگر اب بولا جانا مستثنیات سے ہے کیونکہ سرراہ سے وہ مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اسی قیاس پر تلوار آبدار۔ شدت پیاس، ندی و نالا، پتہائے درخت بولنا صحیح نہ ہوگا۔

مہند صوری ہو یا معنوی مفرد ہو یا مرکب ہندی کے حکم میں ہے اس لئے اس میں بھی ترکیب فارسی درست نہیں کہ کسی لفظ کا اصل زبان کا قاعدہ جاری ہونے کے بعد دوسری زبان کا مخصوص قاعدہ جاری کرنا خلاف اصول ہے لہذا ناخون شیر اور شہزادی عجم کی ترکیب بھی غلط ہے لیکن ہندی کے ان اسماء میں کہ علم ہوں ترکیب فارسی درست ہے۔ مثلاً فدائے لکھنؤ، شان دہلی، دہلیِ مرحوم وغیرہ میں اضافت فارسی صحیح ہے۔

مہند معنوی میں عموماً ترکیب فارسی غلط خیال کی جاتی ہے مگر جہاں مخصوص حروف اصل زبان کے کتابت میں نمایاں ہوں جیسے عرصہ میں (ص) محرم میں (ح) تو ترکیب فارسی لانے میں مضائقہ نہیں۔ لفظ کی مشترکہ حالت اسی کی مقتضی ہے کہ اس کا استعمال بھی مشترک رہے مثلاً آتش کہتے ہیں ع

کسی کی محرم آب رواں وہ یاد آئی حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا

میرے نزدیک بھی یہ ترکیب غلط نہیں۔

کلمات غیر معتدل میں فارسی ہوں یا عربی۔ ترکیب، فارسی ضروری ہے کہ یہ دائرہ زبان کے بیرونی الفاظ نہ ہر جگہ کلمات ہندی سے مانوس ہیں نہ ترکیب ہندی کو قبول کرتے ہیں اس لیئے ان کا ربط ترکیب فارسی کے ساتھ لازمی ٹھہرا جس کی حد مداخلت مرکب ناقص ہے کیونکہ اردو کا کوئی جملہ بغیر شرکت لفظ ہندی نہیں بنتا۔ بعض الفاظ ایک معنی میں معتدل ہیں اور دوسرے معنی میں غیر معتدل جیسے منت بمعنی خوشامد معتدل اور بمعنی احسان غیر معتدل ہے۔ لہذا لفظ جس معنی میں مستعمل ہو اسی کے موافق اس کی ترکیب بھی ہونا ضروری ہے کیونکہ خلاف اس کے یا غیر مانوس ہوجائے گا یا غلط فہمی پیدا کرے گا مثلاً کوئی کہے کہ میں نے منت کی تو سننے والا سمجھے گا کہ التجا کی نہ کہ احسان کیا اور اگر کہے کہ میں منت پذیر ہوں تو سمجھا جائے گا کہ احسان مانا نہ کہ التجا قبول کی۔

توالی اضافات کے وقت بھی اگر ترکیب فارسی کا امکان ہو تو مستحسن ہے مثلاً دل کی بیتابی کی حالت کہنے سے بیتابئ دل کی حالت کہنا فصیح ہے۔ ترکیب عربی کو اردو میں مطلقاً دخل نہیں کہ الفاظ عربی خود ہی قواعد ہندی و فارسی کا عمل قبول کرتے رہتے ہیں جیسے امکان کی حد۔ حور اور غلمان یا حد امکان حور و غلمان وغیرہ۔ افراد عربی میں اگر ترکیب عربی ہے تو سمجھ لو کہ مرکب اصل زبان سے بجنسہ لے لیا گیا ہے مثلاً لیلۃ القدر، دار الفرار وغیرہ۔ ہیئت ترکیبی میں اردو کے لئے حکم مفرد میں ہیں اور افراد ان کے داخل ناقصات ہیں لہذا قاعدہ عربی غیر عربی پر جاری کرنا درست نہیں مثلاً لے پروا کی جگہ لاپروائی، ناچار کی جگہ لاچار؛ لگانگی کی جگہ لگانگت بولنا صحیح نہیں ہے۔ اس بحث میں مفردات اپنی

جگہ کے لئے ہیں اور مرکبات اپنی جگہ کے لئے اور مقصد دونوں کا تکمیل معنی ارادی اور حسن ادائے مفہوم ہے مثلاً غالب کہتے ہیں ؎

جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منہ چھپائے کیوں

شعر مذکور میں دل فروز، نیمروز، نظارہ سوز جس خوبی سے اپنے اپنے مفہوم کو ادا کر رہے ہیں اس میں مفردات کی عاجزی محتاج بیان نہیں اور مفردات کے محل پر مرکبات کی عاجزی بھی اسی جگہ نمایاں ہے۔ الحاصل اس بحث کو اسی قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ ربط کس طرح کا ہے اور معنی ارادی حسن کے ساتھ کس لفظ سے حاصل ہوتے ہیں۔

بحث موانست لفظی :- موانست لفظی ربط معنوی کے زیر اثر تعلقات الفاظ کا وہ خوشگوار نتیجہ ہے جس پر فصاحت کلام کا دار و مدار ہے تمام الفاظ کے فرق نوعی اور خصوصیات ترکیبی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر استعمال لفظ صحیح ہوگا مگر بعض الفاظ کے لئے استعمال صحیح کا فصیح ہونا ضروری نہیں کیونکہ فصاحت کلام موانست پر مبنی ہے لہٰذا بیان اصول لفظ و معنی کی مشترکہ حالتوں کا ذکر ضروری ہے کہ امتیاز قسم لفظ میں آسانی ہو

اقسام الفاظ باعتبار انفراد و تعدد صورت و معنی :- جو الفاظ لائق اظہار معنی ہیں وہ تین حالتیں رکھتے ہیں۔

(۱) صورت و معنی دونوں میں ایک ہونا جیسے نقاب کہ اردو میں نہ اس لفظ کے کچھ اور معنی ہیں نہ اس معنی کا کوئی اور لفظ ہے۔

(۲) صورتیں کئی معنی میں ایک ہونا جیسے بادل، ابر، سحاب کہ سب کا ایک ہی مفہوم ہے۔ (۳) صورت ایک کئی معنی ہونا جیسے قلم جس کے ایک

معنی آلہ تحریر، دوسرے وہ پتلی اور لانبی شیشی جس میں عطر و شراب وغیرہ رکھتے ہیں، تیسرے وہ شاخ جس سے درخت کی بنیاد ہو۔

معمائے قلم از مصنف :۔

کام ہوں تین وہ اک چیز اٹھاؤ　　خط لکھو جام پیو باغ لگاؤ

اقسام مذکور میں سے اول کو منفرد، دوم کو مترادف، سوم کو مشترک کہتے ہیں۔ استعمال منفرد کے لئے صرف ربط معنوی کافی ہے کہ وہی موانست لفظی کا بھی ضامن ہے لیکن مترادف کے لئے کافی نہیں کہ باعتبار معنی تو وہ جتنے ہوں ایک کے حکم میں ہیں لیکن بہ لحاظ جنسیت و حیثیت ان میں بہت کچھ فرق ہے جس سے ہر لفظ کے لئے محل خاص اور ہر محل کے لئے لفظ مخصوص ہے ورنہ مترادفات کا وجود ہی بے سود تھا۔ اور لفظ مشترک معنی غیر مشترک میں قائم مقام منفرد اور معنی مشترک میں قائم مقام مترادف ہونے سے ایک لفظ دو طرف تقسیم ہو کر تین قسموں کی دو ہی رہ جاتی ہیں۔ جن میں قسم اول کا استعمال بے خدشہ ہے لیکن قسم دوم کا استعمال بغیر دلالت استعمال مخدوش ہے۔ اور ایک حالت معنی مستعار ہے جس کے لئے لفظ علیحدہ نہیں بلکہ انھیں اقسام مذکور میں سے کوئی لفظ اپنے معنی مقررہ کے خلاف کسی فرضی معنی میں مستعمل ہو جاتا ہے جیسے میٹھا درد بمعنی درد خفیف اسی کو علم معانی میں معانی مجازی کہتے ہیں مگر ہم اپنی اصطلاح میں معنی ترکیبی کہیں گے کیونکہ یہاں موضوع بحث معنی لفظ نہیں بلکہ حالت استعمال لفظ ہے جو نئے معنی کے اظہار کا سبب ہوتی ہے اور وہ معنی ایسی ہی ہونگے جن معنی کا کوئی دوسرا لفظ بھی موجود ہو لہٰذا مترادف مستعار کے نام سے موسوم

ہوگا۔ اب مترادف دو طرح کے ہوئے (۱) مستقل (۲) مستعار جن میں مترادفات مستعار کا استعمال غیر مستقل اور قیاسی ہے قسم اول میں دلالت استعمال شیوۂ اہل زبان ہے اور قسم دوم میں قواعد موضوعہ

استعمال سماعی:۔ وہ استعمال لفظ ہے جکی مقررہ صورتوں میں مترادفات بھی مثل منفردات کے ہر جگہ مستقل نظر آتے ہیں اس بحث میں استقلال لفظ کی دو ہی علامتیں پائی جاتی ہیں (۱) لفظ کا معنی اصلی سے عدول کر کے کسی نئے معنی میں مستعمل ہونا جیسے کچی لکڑی بمعنی نوعمر، ناتجربہ کار اس مثال میں ہر دو لفظ معنی اصلی سے عدول کر گئے ہیں۔ اور نئے معنی ان کی باہمی وابستگی سے پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل اور ایک دوسرے کے لئے معین معنی ہے۔

(۲) معنی اصلی پر قائم رہ کے اپنے استقلال معین معنی ہونا۔ جیسے میٹھی نیند میں جز دوم اس اتحاد عمل میں ہر دو افراد کی صورت حال خود ان کے استعمال برمحل کا بین ثبوت اور موانست باہمی کی قوی شہادت ہے۔ کیونکہ لفظ سے لفظ کی تبدیلی مرکب موضوع کو مہمل یا فصیح کو غیر فصیح بنا دیتی ہے مثلاً میٹھا خواب یا شیریں نیند اسی طرح دل بجھنا غم کھانا کی جگہ قلب بجھنا، صدمہ کھانا، بولنا درست نہ ہوگا یا میر انیس کے اس مصرع میں

ع کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا۔ کھا کھا کے شبنم کہو تو ہرگز مانوس نہ ہوگا۔ الحاصل عدول معنی ہو یا اعانت معنی دونوں بنائے استقلال لفظ ہیں۔ ایسے افراد کا رد و بدل درست نہیں کہ خلاف شیوۂ اہل زبان ہے۔

مذکورہ بالا ہر مقررہ صورت کو اصطلاح عام میں محاورہ کہتے ہیں۔

لیکن وہ صورت استعمال جس میں قیاس کو دخل ہو اور الفاظ غیر معتدل سے پاک ہو محاورہ نہیں روزمرہ ہے جیسے رات کاٹنا محاورہ ہے اور رات گذارنا روزمرہ ہے۔ یا یوں سمجھو کہ پاؤں پڑنا عاجزی کے معنی میں محاورہ اور پاؤں پر گرنے کے معنی میں روزمرہ ہے' الغرض محاورہ وہ مرکب ہوا جسکی معنوی حالت میں قیاس کا دخل نہ ہو اور روزمرہ وہ مرکب ہے جو الفاظ غیر معتدل سے پاک اور کسی حیثیت سے خلاف قیاس نہ ہو محاورات میں ایسا تغیر جس سے اس کی اصلیت اس طرح بگڑ جائے کہ روزمرہ کی تعریف میں بھی آ جائے ناجائز ہے اور نہ بگڑے تو جائز ہے اور حسن کلام بڑھ جائے تو مستحسن ہے۔

ناجائز تصرفات:۔ لفظی تبدیلی مثل غم کھانا۔ پتھر چٹانا محاورہ اور صدمہ کھانا، سنگ چٹانا خلاف محاورہ ہے، معنوی تبدیلی آج کیا جاتی دنیا دیکھی' اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص خلاف توقع آ جائے مطلب یہ ہوا کہ آپ کا آنا جسکی خواہش نہ تھی امید نہ تھی کیونکر ہوا اب اگر جاتی دنیا کہہ کر گذرتا ہوا زمانہ مراد لیا جائے تو خلاف محاورہ ہے

جائز تصرفات:۔ اضافہ حرف نفی مثلاً ؎

خدا ہی اس چپ کی داد دیگا کہ تربتیں روندے ڈالتے ہیں
اجل کے مارے ہوئے کسی سے نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں

شاد لکھنوی پرو میر

فعل مثبت میں ضرورت کے وقت حرف نفی کا اضافہ ضروری ہے' بولنا' چالنا' دیکھنا بھالنا سب اسی قبیل سے ہیں اضافۂ لفظ مثلاً ؎

نبض بیمار رہا اے رشک مسیحا دیکھی
آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی

(امیر لکھنوی)

ہوئی جز و زائد ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں مگر غلط بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ

ہنسی محاورہ کی برقرار ہے ۳) تخفیف مثلاً ؎

گل توڑنے پہ دیتی ہے دشنام عندلیب سچ ہے کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلے

(یاس لکھنوی)

بولتے یوں ہیں کسی کا ہاتھ چلے کسی کی زبان چلے۔ یہاں جز و زائد دور کر دینے سے نظم کے لئے گنجائش نکل آئی اور اصلیت بھی قائم رہی (۴) جزو محاورہ استعمال کر کے کل مراد لینا مثلاً ؎

اس نے دیکھا جو اٹھ کے سوتے سے اڑ گئے آئینے کے طوطے سے

(میر)

محاورہ یوں ہے کہ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ مصنف نکتہ رس نے ایک ساکت چیز کی حالت غیر متحرک سے مثال دیکر نا قابل اظہار مفہوم کو ظاہر کر دیا۔ درحقیقت یہ محاورہ میں تصرف لفظی نہیں بلکہ جز و سے کل کی طرف اشارہ مقصود ہے جس کو "سے" حرف تشبیہ ظاہر کر رہا ہے جز و سے کل کی طرف اشارہ کرنا ادبائے کیا کہ علماء تک کا عام شعار ہے، لا الہ کہہ کر الا اللہ کہنے کی ضرورت نہیں محسوس کی جاتی۔

تصرف مستحسن :۔ ؎

کر دکی، پیری، جوانی دیکھ لی تین دن کی زندگانی دیکھ لی

محاورہ ہیں دو دن چار دن کی زندگی ہے جس کا مفہوم قلت زمانہ ہے تعداد معینہ نہیں۔ مگر قادر الکلام مصنف نے تین زمانوں کو تین دن میں استعارہ کر کے محاورہ کو روزمرہ بنا دیا۔ محاورہ غلط ہونے کے بدلے نئے جامہ میں آ کر دوسرا محاورہ بن گیا۔ محاورہ میں ایسا تصرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے

محاورہ کا حسن استعمال یہ ہے کہ ایک مفہوم اس کے معنی معروف سے حاصل ہو اور دوسرا مفہوم الفاظ محاورہ کے لغوی معنی سے پیدا ہو جائے میر سے

آئینہ ان کا ٹوٹ گیا میرے ہاتھ سے　　　اب کوئی منہ دکھانے کی صورت نہیں رہی

شعر کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کوئی امکان نہ رہا جس سے آئینہ ٹوٹنے کی شرمندگی رفع ہو سکے اور ایک معنی یہ بھی نکلتے ہیں کہ اب معشوق کو اس کا منہ کیونکر دکھائیں جبکہ منہ دکھانے والی چیز ہی نہ رہی۔ جو مصدر ترکیبی معنی مجازی میں مستعمل ہیں ان کا استعمال ہر فاعل و مفعول کے ساتھ درست ہے اور از روئے اشتقاق ان سے جتنی شکلیں بن سکتی سب صحیح ہیں مثلاً ہوا ہو جانا جس کے معنی "تیزی سے بھاگ کر نظر سے غائب ہو جانا" ہیں۔ اگر یوں کہیں کہ چور مال لے کے ہوا ہو گیا۔ یا یوں کہیں کہ کچا رنگ ہے ہوا ہو جائے گا تو کسی طرح غلط نہیں۔

روزمرہ میں تصرف مستحسن :۔ دمک ایک خاص قسم کی تابندگی کا نام ہے جس کا استعمال ستارہ اور کندن کے ساتھ مخصوص ہے لیکن میر انیسؔ کہتے ہیں کہ ؏

مٹی میں وہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا۔

شاعر نکتہ رس مٹی سی کم حقیقت چیز کو کندن سی بیش قیمت شے پر ترجیح دینے کے لئے جو صفت کندن کی تھی اسے مٹی کے ساتھ استعمال کرتا ہے اور "وہ" حرف ترقی لا کر بتاتا ہے کہ مٹی کی چمک کندن کو مات کر رہی تھی اور لفظ گرد جو مٹی کے لئے وضع ہوا تھا ماف کی جگہ صرف کر کے مٹی کو سونا اور سونے کو مٹی بنائے دیتا ہے اگر مصنف موصوف نے کندن کی صفت مٹی میں لا کر

استعمال کی ہوتی تو جملہ بے معنی یا غیر فصیح ہو جاتا۔ مقررہ استعمال پر ایسی دست اندازی انھیں قادر الکلام شعراء کا حق ہے جو اسے مہملیت سے بچا کر معنی کی نئی روح پھونک سکتے ہیں۔ نااہل ایسی جرأت کر کے ہمیشہ منہ کی کھاتے ہیں جس کی بہت سی مثالیں دیکھنے میں آیا کرتی ہیں

استعمال قیاسی :۔ استعمال قیاسی وہ استعمال لفظ ہے جس کی غیر مقرر صورتوں میں ہر قسم مترادف کے لیے جگہ علیحدہ ہے کہ ایک کے مقام پر دوسرا غیر فصیح معلوم نہیں ہوتا۔ اس بحث میں چار چیزیں قابل لحاظ ہیں (۱) امتیازات لفظ (۲) مناسبات باہمی (۳) محل استعمال (۴) دلالت استعمال۔

امتیازات لفظ :۔ قبل استعمال دیکھ لینا چاہیئے کہ لفظ بجائے خود "منفرد" ہے یا "مترادف" "معتدل ہے" یا "غیر معتدل" اور ایک دوسرے کا "ہمجنس" ہے یا غیر جنس"۔ "منفرد" بحث اعتدال وجنسیت دونوں سے مستثنیٰ ہے کہ وہ اپنی جگہ کے لئے آپ ہی ہے مگر مترادف مستثنیٰ نہیں۔ وہ معتدل بھی ہو سکتا تھا "غیر معتدل" بھی ہم جنس بھی" غیر جنس بھی" کہ مدارج واقسام متقابلتہً قائم ہو سکتے ہیں اس فرق باہمی سے ہر ایک کے لئے جگہ علیحدہ ہے ورنہ مترادفات کا وجود ہی بے سود تھا۔

معتدل الفاظ بلا امتیاز منفرد و مترادف اردو کے اجزائے ذات ہیں اور ان کے استعمال کی ترکیب اصلی ترکیب ہندی ہے کہ "اسماء" کے ساتھ افعال وحروف بھی کلیتہً ہندی کے موجود ہیں جن کے ساتھ معتدل غیر ہندی بھی فصیح معلوم ہوتا ہے برخلاف اس کے غیر معتدل الفاظ جو زیادہ تر غیر ہندی ہوتے ہیں سوا وساطت ہم جنس کے جنس کے ساتھ

ترکیب بھی فارسی کی لازم ہے لائق استعمال اردو نہیں ہو سکتے جیسا کہ تحت ترکیبات میں بیان ہو چکا ہے۔ اس تشریح سے استعمال لفظ کے لئے دو "عام اصول" قرار پاتے ہیں (۱) ترجیح درجہ اعتدال" یعنی جو لفظ معتدل تر ہے وہی بلا امتیاز جنس فصیح تر ہے (۲) "وساطت ہم جنس" یعنی جو لفظ فصیح نہیں وہ کسی لفظ ہم جنس کے ساتھ ترکیب پاکر فصیح ہو جاتا ہے۔ یہ اصول عام اس لئے کہے گئے کہ مفردات کی کوئی قسم ان سے مستثنیٰ نہیں۔ خاص اصول کا تعلق باہمی مناسبات سے ہے جن کے زیر اثر صرف مترادفات معتدل ہیں۔

مناسبات باہمی :- مناسبت اس لگاؤ کا نام ہے جس کے اقتضائے حال سے ایک لفظ دوسرے کے ساتھ مانوس نظر آتا ہے اس لگاؤ کی تین قسمیں ہیں (۱) معنوی (۲) لفظی (۳) ترکیبی۔

معنوی مناسبتیں دو ہیں (۱) اشتمال معنی (۲) تقابل معنی اشتمال معنی یہ ہے کہ ایک لفظ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ کسی حیثیت سے شامل ہو یہ حیثیتیں دو ہیں (۱) ایک شامل ذات (۲) شامل حال۔ شامل ذات یہ ہے کہ ایک لفظ دوسرے کا جزو ذات ہو۔ جیسے لہو کی بوند یا جزو صفت ہو جیسے لہو کی لالی، شامل حال یہ ہے کہ دونوں کسی ایک ذات یا نوع سے ایک طرح کا علاقہ رکھتے ہوں جیسے کڑوا کسیلا، کالا پیلا اسماء صفات ہیں۔ یا پھول پھل اجزائے درخت اور ہاتھ منہ اعضائے حیوان ہیں یا جوڑا" "چھلا" "لڑائی" جھگڑا" دونوں ایک معنی کا فائدہ دیتے ہیں۔ یا سورج۔ چاند۔ تارے وغیرہ اور تمام پرند، تمام چرند۔ تمام درندے، تمام گزندے ایک دوسرے کے ساتھ شامل نوع ہیں

تمام اسماء اعداد دو، تین، چار وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہیں غرض کہ کوئی ایسا لفظ جو کسی حیثیت میں دوسرے کا شامل حال ہو نسبت اشتمال کے زیر اثر سمجھا جائے گا۔

تقابل معنی یہ ہے کہ ایک لفظ دوسرے کا مخالف ہو جیسے آگ، پانی، دوست، دشمن، مشرق، مغرب وغیرہ۔

لفظی مناسبتیں بھی دو ہیں (۱) توازن تصریفی (۲) توازن صوری

توازن تصریفی کے اعتبار دو ہیں (۱) مادی (۲) وضعی

توازن مادی یہ ہے کہ مشتقات کا ماخذ ایک ہی مادہ یا ایک ہی مصدر ہو جیسے قاتل، مقتول، مقتل کہ مادہ سب کا قتل ہی ہے یا کشندہ اور کشتہ کہ دونوں مصدر کشتن سے مشتق ہوئے ہیں۔

توازن وضعی یہ ہے کہ دونوں اصطلاح صرف میں ایک ہی کہے جاتے ہوں جیسے قاتل، سائل، اسم فاعل، مقبول، مجروح، اسم مفعول نغمے، فقرے، اسم بحالت جمع، اقرار، انکار، مصدر۔

توازن صوری یہ ہے کہ ایک لفظ دوسرے سے حرکات میں مثل افاعیل کے یا حروف میں مثل قوافی کے۔ یا دونوں طرح مشابہ ہو۔ اس مشابہت کے دو درجے ہیں (۱) ناقص (۲) تام جیسے رات۔ برات۔ کام کاج وغیرہ میں توازن ناقص ہے اور نام کام قرار فرار میں توازن تام ہے۔ ترکیبی مناسبت، توازن ہیئت ہے جیسے دل فروز، غم اندوز، پاتھ بل[1] زدیل وغیرہ۔ مرکب مماثل اور ایک دوسرے کے متوازن ہیں۔ یا دست طلب

---

[1] پاتھ بل غالباً کتابت کی غلطی، صحیح پاتھ بل ایک مثل ہے نہ پاتھ بل نہ زدیل

چشم کرم، آب سرد، نان گرم یاس وحرماں، دین وایماں، آنکھ کی بصارت کان کی سماعت وغیرہ مرکب مغائر ہیں۔ یہ بھی ہیئت ترکیبی میں باہمدگر متوازن ہیں۔

بس یہی مناسبتیں اصول خاص کی سات بنیادیں ہیں جن میں ہر مناسبت کا اقتضا کسی محل پر اتحاد جنس کا موید نظر آتا ہے اور کسی محل پر مساوات حال کا اور یہی تائید دلالت استعمال کے لئے حق مداخلت کو واضح کرتی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

محل استعمال :۔ محل استعمال وہ جگہ ہے جہاں کی ضرورتوں کو لفظ ہر حیثیت سے پورا کرسکے ورنہ محل عجز ہے۔ ضرورتیں دو ہیں جن میں پہلی چیز تبلیغ معنی ہے جو ہر جگہ کے لئے ہے اور قسم لفظ اس سے مستثنیٰ نہیں اور دوسری چیز موالست لفظی ہے وہ اصول موضوعہ کے زیر اثر ہے جس کا تعلق مترادفات و مرکبات سے ہے۔ لفظ منفرد کا محل وقوع محل مستقل ہے اور مترادفات کا محل وقوع اگر کسی مناسبت کے تحت نہیں ہے تو محل اعتدال ہے ورنہ محل مستعار ہے جو مناسبت معنوی کے زیر اثر کبھی محل اشتمال ہے کبھی محل اتباع۔ اور مناسبت لفظی کے زیر کبھی محل اشتقاق ہے کبھی محل تصریف کبھی محل توازن اور توازن کے زیر اثر محل تنظیم ہے یہ کل محل استعمال آٹھ ہوئے ان میں بعض کا اقتضائے حال تابعیت جنس ہے اور بعض کا اقتضا مساوات حال

فقدان جنسیت جو محل تابعیت میں نہ رہے گا وہ محل فقدان کہا جائے گا اور فقدان مترادفات کے وقت منفرد، غیر جنس کی مداخلت سے محل مستقل محل انقطاع سمجھا جائے گا۔ اب محل استعمال

دس ہو گیے۔ تشریح ہر محل کی دلالت استعمال کے تحت میں بیان ہوگی۔

دلالت استعمال :۔ دلالت استعمال اس وجہ ترجیح کا نام ہے جو لفظ کے استعمال بر محل کا ثبوت اور موانست باہمی کے لیے کافی ضمانت ہو سکے، دلالت معنوی بھی ہوتی ہے لفظی بھی۔ دلالت معنوی مرادفات کے لیے کافی ہے مگر مترادفات کے لیے کافی نہیں کہ وہ باعتبار معنی تو ایک محل پر جتنے ہوں سب ایک ہی کے حکم میں ہیں لہٰذا ان میں ترک واختیار کا فیصلہ دلالت لفظی پر موقوف ہے۔

دلیل موانست مطابقت باہمی ہے خواہ حالت لفظ کے اعتبار سے ہو یا جنس لفظ کے لحاظ سے اگر کسی طرح کا اختلاف نہ ہو تو مطابقت تامہ ہے جو محتاج دلالت نہیں اور اگر ایک حیثیت میں اتفاق اور دوسری چیز میں اختلاف ہو تو اقتضائے حال پر نظر کر کے جب مطابقت جنس سے لفظ کو اختیار کریں گے تو وجہ ترجیح کو دلالت جنسی کہیں گے اور جب مطابقت حال سے اختیار کریں گے تو دلالت حالی کہیں گے بس یہی دو دلالتیں اور سات مناسبتیں اصول موانست کی تو بنیادیں ہیں جن پر تمام مفردات و مرکبات کے محل استعمال کا دار و مدار ہے۔

دلالتوں کے محل دخل و محل عجز :۔ دلالت حال وہ دلالت استعمال لفظ ہے جس کے زیر اثر اردو کا دائرہ اعتدال تزئین کے ساتھ قائم ہوتا ہے محل دخل اس کا وہ ہے کہ تابعیت جنس سے خالی ہو یا اتحاد جنس کا امکان نہ رہے ایسے محل چار ہیں (۱) محل اعتدال (۲) محل فقدان (۳) محل توازن (۴) محل تنظیم۔ دلالت جنسی وہ دلالت استعمال لفظ ہے جس کے زیر اثر اردو زبان کا دائرہ تزئین وسیع ہوتا ہے۔ محل دخل اس کا وہ ہے کہ یا تو لفظ

نقص اعتدال سے وساطت کا محتاج ہو یا اقتضائے حال سے تابعیت ضمیں ہو۔ ایسے محل چار ہیں (۱) محل اشتمال (۲) محل اتباع (۳) محل اشتقاق (۴) محل تحریف۔

محل تنظیم دونوں دلالتوں کے لئے مشترک ہے باقی ہر محل کسی ایک دلالت سے مختص ہے۔

تشریحات محل استعمال مع دلالت استعمال: محل مستقل لفظ منفرد کے محل استعمال کا نام ہے جو صرف دلالت معنوی کا محل دخل ہے مثلاً اس فقرہ میں "انتظار حد سے گزرا" "اعتبار جاتا رہا" یہاں انتظار و اعتبار قسم منفرد سے ہیں کہ ان کا ہم معنی کوئی لفظ اردو میں نہیں اس نے ان کا استعمال بھی کسی دلالت منفی کا محتاج نہیں۔

محل اعتدال وہ جگہ ہے جہاں مترادفات کسی مناسبت کے ساتھ قبول اثر میں نہ ہوں، یہاں کا اقتضائے حال ترجیح درجہ اعتدال ہے۔ اور وہی دلالت حالی کے لیئے حق مداخلت کی تائید کرتا ہے لہذا اصول عام کے پہلے قاعدے کی رو سے جو مترادف معتدل تر ہے وہی فصیح تر بھی ہے مثلاً بادل ابر سے اور ابر سحاب سے درجہ اعتدال میں زیادہ ہے لہذا ابر آیا فصیح ہے تو بادل آیا فصیح تر ہے اور سحاب آیا غیر فصیح ہے اس لیئے کہ سحاب غیر معتدل ہے جس کا محل صرف اور ہے، مگر جب مترادفات درجہ اعتدال میں برابر ہوں تو اصولاً ہر ایک کا استعمال درست ہے مثلاً "قسمت اچھی" "نصیب اچھا" ہر طرح فصیح ہے یہ دونوں محل مذکور صرف جائے آغاز مناسبات ہیں۔

محل اشتمال - ربط معنی کی وہ جگہ اور قبول اثر کا وہ محل ہے جہاں

منسوب منسوب الیہ کے ساتھ کسی حیثیت سے شامل ہو۔ اگر یہ اشتمال منسوب الیہ کی ذات سے ہوگا تو اشتمال ذاتی کہا جائے گا اور حالت سے ہوگا تو اشتمالی حالی سمجھا جائے گا اقتضا اس محل کا اتحاد جنس ہے لہٰذا اسے دلالت جنسی کا محل دخل سمجھنا چاہیئے۔

اشتمال ذاتی جیسے لہو کی بوند، خون کا قطرہ۔ یا خون کی سرخی، لہو کی لالی"۔ اگرچہ توازن اعتدال کے لحاظ سے خون کی بوند اور لہو کا قطرہ بھی بولنا غیر فصیح نہ ہوگا، لیکن پہلی صورت فصیح تر ہے کہ توازن اعتدال کے ساتھ اتحاد جنس بھی موجود ہے اس جگہ منسوبات کو نیم تابعیت میں سمجھنا چاہیئے۔ اشتمال حالی جیسے کہیں۔ یہ پھل کڑوا ہے اور وہ کسیلا ہے یا اس کا رنگ نیلا ہے اس کا رنگ کالا ہے"۔ تو فصیح ہے۔ اور اگر کہیں" یہ پھل تلخ ہے وہ کسیلا ہے یا یہ نیلا ہے وہ سیاہ ہے تو فصیح نہ ہوگا کہ اسماء صفات میں بھی بنیاد موالست اتحاد جنسی ہے یہ حیثیتیں بہت ہیں دو تین ذکر کردی گئیں۔

محل اتباع وہ جائے ربط معنی ہے جہاں مترادفات نسبت تقابل کے زیر اثر ہوں اس محل کا اقتضا بھی اتحاد جنس ہے جس سے دلالت جنسی کا حق مداخلت ظاہر ہے دیکھو کہ گرمی کے ساتھ سردی بولنا اور ٹھنڈک بولنا غیر فصیح ہے یا ٹھنڈک کے ساتھ جلن بولنا فصیح اور سوزش بولنا غیر فصیح ہے۔ اس جگہ تابعیت کے لئے ترتیب شرط نہیں، نسبت شرط ہے۔ مترادف پہلے ہو یا بعد ہر جگہ منفرد کی تابعیت میں ہے دیکھو کہ جس طرح گرمی سردی بولنے میں فصیح ہے اسی طرح سردی گرمی بھی فصیح ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب محل تابعیت جنس کا اور لفظ سم جنس

ممکن نہ ہو تو داخل جنس، شامل جنس شریک جنس میں سے جو لفظ مل جائے اسے بھی غیر جنس پر ترجیح ہے مثلاً اس جملہ میں دشمن کی شکست کے معنی یہ ہیں کہ ہماری فتح ہوئی" شکست، نسبت تقابل کے زیر اثر محل اتباع میں ہیں لیکن دونوں میں سے کسی کا مترادف ہم جنس اردو میں موجود نہیں اور فتح جو عربی لفظ ہے شکست کے ساتھ جو فارسی ہے شامل جنس ہے لہٰذا محل استعمال لفظ محل اتباع ہی رہے گا۔ اور دلالت جنسی کا محل دخل مانا جائے گا، اور اگر مذکورہ بالا تینوں قسموں میں سے کسی قسم کا کوئی لفظ نظر نہ آئے گا تو فقدان جنسیت سمجھا جائے گا اور محل اتباع محل فقدان کے نام سے موسوم ہو کر دلالت حالی کا محل دخل بن جائیگا۔

محل فقدان وہ محل ہے جہاں تابعیت جنس لازم ہو لیکن اتحاد جنس کا امکان نہ ہو ایسی حالت میں جو مترادف درجہ اعتدال منسوب الیہ سے برابر ہو گا وہی لائق استعمال سمجھا جائے گا، مثلاً درخت کی شاخ سوکھ گئی" پتے مرجھا گئے، پھول کمھلا گئے"۔ یہاں درخت محل اعتدال میں، شاخ محل اشتمال میں پتے محل فقدان میں ہیں۔

محل اشتقاق وہ جگہ ہے جہاں مشتقات کا ماخذ معنوی حیثیت سے یکساں ہو، اقتضائے حال اس جگہ کا اشتراک مادی ہے مثلاً قاتل سے مقتول کا قصاص لیا"۔ فصیح ہے لیکن اگر کہیں کہ" قاتل سے کشتہ کا قصاص لیا،، یا قتل کرنے والے سے مقتول کا قصاص لیا" تو غیر فصیح ہو جائے گا۔

محل تصریف وہ جگہ ہے جہاں اصطلاح صرف میں الفاظ ایک ہی نام کے ہوں، اقتضائے حال اس کا یہ ہے کہ ساخت دونوں کی ایک

ہی قاعدے کے ماتحت ہو جیسے افہام، تفہیم دونوں مصدر ہیں یا مکرم، محترم دونوں اسم مفعول یا مساجد، مقابر دونوں میں علامت جمع عربی کی ہے ان میں سے جس کی ساخت دوسرے مادوں یا قاعدے سے ہو گی توازن باہمی میں فرق اگر غیر مانوس ہو جائے گا مثلاً تفہیم کی جگہ ''سمجھانا'' یا محترم کی جگہ احترام کیا گیا یا بزرگی یافتہ بولیں تو غیر فصیح ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر علامت جمع بھی بدل دیں اور یوں کہیں کہ مسجدیں آباد ہیں اور مقابر ویران ہیں یا مساجد آباد ہیں اور مقبرے ویران ہیں، تو کسی طرح فصیح نہ ہو گا۔

محل توازن وہ جگہ ہے جہاں ایک لفظ دوسرے کا ہموزن یا ہم قافیہ بھی تو توازن تام ہے جیسے کہیں کہ ''نہ وہ جوش ہے نہ خروش ہے'' تو توازن ناقص ہے، بہر نوع توازن ناقص یا تام دونوں اصول فصاحت ہیں۔ اور اگر توازن تام کے ساتھ اتحاد جنس کا بھی لحاظ کر لیا جائے تو دائرہ زبان کا بیرونی لفظ بھی جوں کا توں مانوس ہو جائے گا جیسے کہیں کہ بیت کی ریت سمجھو تو مان کا پان بہت ہے'' ۔ یہاں دونوں فقرے یکساں فصیح معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ بیت انفراداً اردو میں داخل نہیں

محل انقطاع وہ جگہ ہے جہاں ربط کلام میں کوئی مترادف نظر نہ آتا ہو تو استعمال لفظ منفرد لازمی ہو گا لہذا قسم لفظ بدل جانے سے تابعیت دور ہو کر کسی دلالت لفظی کا محل دخل نہ رہے گا۔ اب منفرد کے لئے دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ بحیثیت جنس وہ مخالف ماقبل ہو جیسے کہیں سینہ چوڑا ہے، کمر پتلی ہے تو سینہ و کمر میں اتحاد جنس اتفاقی ہے لہذا نسبت قطع نہ ہو گی اور محل استعمال محل مستقل ہی کہا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ منفرد بحیثیت جنس مخالف ماقبل ہو جیسے کہیں کہ ''گردن ٹیڑھی ہے

ہاتھ سیدھا ہے، اب نسبت قطع ہو جائے گی کہ گردن اور ہاتھ میں اختلاف جنس ہے لہٰذا ناتمام محل استعمال کا محل انقطاع ہو گا جو مناسبات کے دوسرے سلسلہ کے لئے محل آغاز سمجھا جائے گا جس سے محل اتباع بھی مستثنیٰ نہیں۔ محل تنظیم وہ جگہ ہے جو ہئیت ترکیبی کے زیر اثر ہوا مقتضا اس کا صرف توازن ہئیت ہے مثلاً کہیں کہ یہ بات دلپذیر ہے مگر دیر گیر ہے یا وہ امر جان و دل سے قبول نہیں کہ دین و ایمان کے خلاف ہے"۔ یا بالعکس بولیں تو کسی طرح فصیح نہ ہو گا۔ یہی حالت مماثلات ہندی کی ہے۔ مثلاً "کڑکتی بجلی" گرجتا بادل یا کڑکتی ہوئی بجلی گرجتا ہوا بادل، ایک دوسرے کے ساتھ فصیح معلوم ہوتے ہیں برخلاف اس کے "کڑکتی ہوئی بجلی گرجتا بادل" بولیں تو ہرگز فصیح نہ ہو گا کہ فرق توازن مخل فصاحت ہے۔

توازن ہئیت کے ساتھ اگر پورے پورے فقرے اور جملے بنا کر استعمال کئے جائیں تو فصاحت بڑھتی چلی جائے۔ مثلاً آنکھوں کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں کانوں کے موکھے چھپے پڑے ہیں۔ وہ دیکھنا سب ہے مگر سننا ایک نہیں" تو توازن ہئیت میں ہئیت ترکیبی جس دلالت کی حامی ہو گی وہی دلالت استعمال سمجھی جائے گی۔

خاتمہ:- اصول مذکور کلیتہً نثر سے متعلق ہیں مگر نظم میں بھی جہاں تک وزن عروض اور قید قافیہ مجبور نہ کرے پابندی اصول معین فصاحت ہے کیونکہ ہر قاعدے جاری کرنے کے لئے امکان شرط ہے اور نظم میں پابندی اوزان سب پر مقدم ہے انیس ایسے فصیح البیان نے روانی و برجستگی قائم رکھنے کی غرض سے غیر معتدل الفاظ و ترکیب ہندی کے ساتھ بے تکلف استعمال کئے ہیں اور حسن نظم انھیں بھی فصیح کر دکھایا ہے۔ مثلاً ع

"نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے"

اس مصرع میں ضیغم غیر معتدل ہے مگر فصیح معلوم ہوتا ہے اگر یوں کہیں کہ "شیر اک ڈکارتا ہوا نکلا کچھار سے" تو وہ روانی پیدا نہیں ہوتی جس سے فصیح لفظ (شیر) غیر فصیح ہو گیا اور وزن بحر پورا کرنے کے لئے (اک بڑھانا پڑا جو درحقیقت حشو ہے اگر شیر کو اسی مضمون کے ساتھ کسی ایسی بحر میں نظم کیا جائے جو اس لفظ میں مناسب حال ہو جائے تو یہ بھی فصیح ہوگا، مثلاً چلا کچھار سے اٹھ کر ڈکارتا ہوا شیر" یہاں شیر بھی اتنا ہی فصیح ہے جتنا وہاں ضیغم فصیح ہے

دوسری جگہ اوس کے بدلے شبنم استعمال کیا ہے۔ "شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے"۔ یہاں شبنم کا استعمال بھی ایسا نہیں کہ اسکی جگہ اوس فصیح نہ معلوم ہو شاعر کا مقصد پہلی فکر میں جس لفظ سے حاصل ہو گیا اس نے اسی پر اکتفا کی ورنہ اگر یوں کہا جاتا کہ "چھلکا رہی تھی اوس کٹورے گلاب کے" تو بھی فصیح نہیں بلکہ فصیح تر ہوتا مگر ہاں ایک اور جگہ اوس جس طرح استعمال کیا ہے وہاں شبنم کا استعمال مقرر اور سماعی ہے جسے اصطلاح عام میں محاورہ کہتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہاں اوس کی جگہ شبنم استعمال کیا جائے گا تو خلاف محاورہ ہو جائے گا۔ اس لئے "کھا کے شبنم" سامعہ خراش معلوم ہوتا ہے۔

ضرورت قافیہ سے بھی غیر معتدل الفاظ اصول فصاحت کے خلاف استعمال میں آیا کرتے ہیں مثلاً آسہ کے ساتھ مجر، گلشن کے ساتھ گلخن، نمود و بود کے دود، غرض کہ صدہا غیر معتدل الفاظ بغیر ترکیب فارسی کے مستند شعراء کے کلام میں موجود ہیں۔ اور غیر فصیح بھی نہیں معلوم ہوتے کیونکہ ان میں بھی نسبت توازن موجود ہے اگرچہ فاصلہ بعید کے ساتھ ہے اس محل پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کا ہے کہ جب ایک عیب مٹانے سے دوسرا عیب پیدا ہوتا ہے اور دونوں سے بچنا محال ہو تو مدارج عیوب پر نظر کر کے فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ جیسا کہ پچھلی مثال سے واضح ہے۔

ٹکسالی زبان

میں نے پچیس تیس برس کی جانکاہ کوششوں اور روح فرسا کاوشوں کے بعد اردو کے اصول بنیادی اور اس کے مدارج ترقی کو جہاں تک سمجھا ہے اس کے لحاظ سے حدود مقرر کرنے میں تین طرح کے دائرے قائم ہوتے ہیں (۱) ایک دائرۂ اعتدال زبان (۲) دائرہ تزئین زبان (۳) دائرہ توسیع زبان ان میں پہلا دائرہ سب کی اصل ہے جس کا اصل تعلق عام زبان سے ہے اور وہی ملکی زبان ہے جس کا بولنا آسان سمجھنا آسان سیکھنا آسان اور دوسرے دونوں دائروں کا تعلق اہل قلم سے ہے

حدود دائرہ اعتدال :- یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اردو کی اصل ہندی زبان ہے جس میں فعل و حرف کلیتہً ہندی ہیں - یہی وجہ ہے کہ صرف ہندی لفظوں سے جملے کے جملے بلا شرکت بن جایا کرتے ہیں اور اردو' اردو ہی رہتی ہے ہندی نہیں معلوم ہوتی - اس کے ثبوت میں پرانے زمانہ کے اشعار اور سید انشاء مرحوم کی ایک نثر پہلے سے موجود ہے اور آج بھی اسکے امکان پر میری وہ متعدد غزلیں گواہ ہیں جو التزاماً "رسالہ ادب" میں خالص اردو کے نام سے شائع ہوتی رہیں اور اب سریلی بانسری کے نام سے مستقل کتابی صورت میں شائع ہو گئی ہیں اگر اس مقید اردو سے غیر ضروری قید اٹھا دی جائے تو صرف اسما کا تصفیہ باقی رہ جاتا ہے جو ہندی بھی ہیں اور غیر ہندی بھی ان کا صحیح فیصلہ یہ ہے کہ جن کے بدل نہیں ملتے وہ ہندی ہیں تو' زبان کے جزو ذات ہیں مثلاً ہوک - کوک ، دمک ، گھٹس - پٹس ، سنسان - ہلکان ، جھوم دھوم ، کڑک بھڑک ، جھما جھم ، چھما چھم - گھما گھم ، غرضکہ ہزاروں لفظ جن کی قائم مقامی

غیر ہندی کر ہی نہیں سکتے۔

اس طرح الفاظ پر عبور نہ ہونا یا انھیں ارادۃً ترک کرنا زبان کی موت بلانا ہے جس کے دو نقصان واضح ہیں، ایک یہ کہ زبان کی وسعت گھٹنے سے دائرہ تنگ ہوا جاتا ہے اور خاص خیالات کے اظہار کا ذریعہ باقی نہیں رہتا ہے دوسرے زبان کی نرمی اور شیرینی میں بھی فرق آیا جاتا ہے اور بد نصیبی سے آجکل یہی ہو رہا ہے۔

اسی طرح بعض غیر ہندی الفاظ بھی ایسے ہیں جن کے بدل معلوم ہو چکے ہیں جیسے سلام پیام، زمین آسمان، اقرار انکار، وقت، زمانہ وغیرہ اگر ان کے مقام پر پرنام سندیس، دھرتی، آکاش، بچن، سمے یا مثل ان کے دوسرے الفاظ اردو میں شامل کئے جائیں تو نہ اردو اردو رہتی ہے نہ ہندی بنتی ہے۔ اردو میں ہندی و غیر ہندی الفاظ جو کھپنے کے قابل تھے کھپ گئے اور حسب ضرورت جو قاعدے کے ساتھ استعمال ہوں گے وہ بھی کھپ جائیں گے، اب رہے وہ الفاظ جو ایک دوسرے کے مترادف ہیں اور ان میں بھی کوئی ہندی ہے کوئی غیر ہندی وہ اپنے اپنے محل اور موقع کے لحاظ سے فصیح اور خلاف اس کے غیر فصیح معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی مفصل بحث دیکھنا ہو تو نظام اردو ملاحظہ فرمایئے جو تھوڑا زمانہ ہوا شائع ہو چکی ہے اس محل پر طول کلام کی گنجائش بھی نہیں لہذا ایک کلیہ اجمالاً بیان کئے دیتا ہوں کہ جہاں تک لفظ ہندی کے استعمال سے کوئی خرابی نہ پڑتی ہو وہاں تک غیر ہندی کا استعمال خلاف اصول ہے۔ یہ ہے اردو کا دائرہ اعتدال جس کے حدود میں اردو زبان بلا اختلاف ملکی زبان و ٹکسالی زبان مانی جاسکتی ہے

حدود دائرۂ تزئین:- دائرۂ تزئین زبان کا تعلق شاعروں اور انشاپردازوں

کی زبان سے ہے جو کہیں تشبیہات و استعارات کی ضرورت ہے" اور کہیں اختصار کے لحاظ سے مفردات و مرکبات غیر ہندی استعمال کیا کرتے ہیں۔ یہ دائرہ بھی اپنے حدود کے اندر اصولی حثیت رکھتا ہے لہٰذا جب بلا ضرورت کوئی لفظ مفرد یا مرکب استعمال ہوگا تو دائرہ دائرہ نہ رہے گا۔

حدود دائرۂ توسیع :۔ اس دائرہ کا تعلق علمی زبان سے ہے جس میں مصطلحات علمیہ کا لانا ضروری ہے کہ بغیر اس کے اظہار مفاہیم ممکن ہی نہیں یہاں بھی اگر بلا ضرورت عام فہم الفاظ چھوڑ کر لغات عربیہ اور ترکیبات عجمیہ استعمال کئے گئے تو دائرہ ماطل ہو جائے گا اور رفاہ عام کی غرض بھی فوت ہو جائے گی۔

دوائر مذکور کے حدود اگر قابل قبول نہ ہوں تو معاصرین کو حق ہے کہ اگر وہ غائرانہ نظر سے دیکھنے کے بعد اگر کچھ اختلاف رکھتے ہوں تو ترمیم پیش کریں ناچیز ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے لئے تیار ہے کہ منصفانہ اور محققانہ ردو قدح کے بعد ایسی مستحکم شاہراہ عمل تیار ہو جائے جو ہمیشہ کے لئے صراط مستقیم کا کام دے۔

اگر پیش کردہ اصول قابل قبول ہوں تو معاصرین کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے وقیع صحائف میں انھیں دہرائیں اور تائید میں اتنی با ثمر آواز بلند کریں جو تمام ملک میں گونج جائے کہ یہ کوئی ذاتی کام نہیں ہے بلکہ ملکی و ادبی خدمت ہے جسے ہم اتحاد و عمل کے ساتھ انجام دینا چاہتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ اس دعوت عام پر ملک کے کس کس گوشے سے آواز بلند ہوتی ہے۔

دائرہ
اعتدال زبان

دائرہ
تزئین زبان

دائرہ
توسیع زبان

یہ ہے اردو کی تاریخ جسے اہل لکھنؤ نے بڑی کوششوں اور کاوشوں سے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار تک پہنچایا اور اس کی پیروی سے زبان کا معیار فصاحت و بلاغت قائم رہ سکتا ہے۔

ان کاوشوں اور کوششوں کے علاوہ ...... لغات کی تدوین اور تحقیق تذکیر و تانیث کا تعین ضخیم مجلدات میں ہے اس کے نقل کی یہاں گنجائش نہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لکھنؤ میں لفظوں کی صوتی و معنوی حیثیت اور ان کے ربط باہمی پر بڑی باریک بینی سے غور ہوتا رہا۔ اس طرح زبان سنورتی اور نکھرتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ باہر کے لوگ اپنی زبان کی درستی کے لئے لکھنؤ کی اصلاحیں معلوم کرنے کی فکر میں رہتے تھے اور اسکی پیروی پر اپنی زبان کی صحت کو منحصر سمجھتے تھے۔ داغ نے لکھنؤ کی تمام اصلاحیں قبول کرلی تھیں غالب قلم تذکیر میں اہل لکھنؤ کے مقلد تھے۔ آج بھی اگر ہم صحیح زبان بولنا چاہتے ہیں تو لکھنؤ کی تقلید کرنا چاہیئے۔ حالی شبلی۔ نذیر احمد، آزاد سب نے اہل زبان کی تقلید کے اصول کو مانا ہے۔ اب کچھ دنوں سے اس کی مخالفت کی جارہی ہے۔ اس کی وجہ وہ دیہاتی قصباتی لوگ ہیں جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لکچرار اور پروفیسر ہوئے تاریخ پر عبور اور تنقید کا شعور پیدا کیا۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا اپنی اہمیت کے اظہار کے لیئے دہلی و لکھنؤ کے محاوروں کی فصاحت اور عدم فصاحت پر حکم لگانا شروع کیا جبکہ اہل زبان کے ساتھ عمر نہیں گزاری فصاحت سے مانوس نہیں ہوئے آج بھی ان کی بات چیت سے ان کا وطن معلوم ہوجاتا ہے جو لوگ فصیح زبان نہیں بول سکتے وہ فصاحت سے اتنا مانوس نہیں ہو سکتے کہ کسی لفظ کے فصیح و غیر فصیح ہونے کا فیصلہ کرسکیں یہ اپنی حد سے آگے

رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اہل زبان کی پیروی اپنی شان کے خلاف سمجھتے مگر یہ ظلم صرف اردو ہی پر روا رکھتے ہیں انگریزی کے آگے کان ڈالتے ہیں۔

ان کی بات کو اہمیت دینے والے فصاحت سے نامانوس اور اصول لسان سے بے خبر ہیں ان دونوں کا زبان کے خلاف ایک نادانستہ محاذ ہے جو اردو کے لئے سب سے زیادہ مہلک ہے جس کے نتیجہ میں بھونڈی لفظیں اور بھدی ترکیبیں زبان میں داخل ہوتی جارہی ہیں۔

لکھنؤ کی زبان پر اعتراض

تاریخ ادب کے بہت سے محقق اور نقاد (جن میں ڈاکٹر ابواللیث[۱] صدیقی بھی شامل ہیں) لکھنؤ کی زبان پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ناسخ نے ہندی الفاظ کو ترک کر کے عربی و فارسی لفظیں اختیار کیں اس کا جواب ڈاکٹر شوکت سبزواری صاحب نے یہ دیا ہے

ناسخ دوسرے مصلحین کی طرح اس کا خاص اہتمام والتزام رکھتے تھے کہ کوئی قدیم، متروک، غلط، نامانوس اور غریب لفظ یا محاورہ ان کے کلام میں راہ نہ پائے اور ان کا کلام زبان و بیان کے لحاظ سے

---

[۱] میں نے ڈاکٹر ابواللیث صاحب کا نام خاص طور پر اس وجہ سے لیا ہے کہ انھوں نے اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ ان کی بات سب سے زیادہ سوچی سمجھی ہوئی ہونا چاہیئے۔

کم سے کم (زیادہ سے زیادہ) صاف واضح اور شستہ ہو اس لئے انھوں نے ان تمام الفاظ ومحاورات کی ایک فہرست تیار کی جو اس عہد کی زبان یا یوں کہیئے کہ شستہ اور شائستہ زبان سے نکالے جا چکے تھے اور شعر کہتے وقت اس کا خیال رکھا کہ وہ ان الفاظ کو استعمال نہ کریں ان کی فہرست میں وہ الفاظ بھی ہیں جو پہلے مصلحین زبان کی اصلاح کی کوششوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح شعر کی زبان پر باقی رہ گئے تھے اور وہ الفاظ بھی ہیں جو ہر چند ناسخ سے پہلے رائج تھے لیکن ناسخ کا زمانہ آتے آتے متروک ہو گئے تھے۔ صغیر بلگرامی نے جلوۂ خضر میں ان الفاظ ومحاورات کی ایک مکمل فہرست دی ہے۔

یہ دو سو اکسٹھ الفاظ ہیں صرف ذیل کے الفاظ ہندی ہیں۔

نپٹ	بہت	سجن	محبوب	بستار	شہرت	اور	طرف
جگ	دنیا	نت	ہمیشہ	تنک	نگر		شہر

سمیت ۔ ساتھ

یہ سولہ الفاظ ہیں "جگ" اور "سجن" میر و مرزا والی فہرست میں بھی آ چکے ہیں (یعنی وہ بھی اسے ترک کر چکے ہیں) ان دونوں کو نکال کر چودہ الفاظ رہ جاتے ہیں جو متروک الفاظ کا تقریباً پانچ فیصدی ہیں اس فہرست میں ذیل کے الفاظ خالص عربی اور فارسی ہیں جو متروک قرار دئیے گئے ہیں۔

نمط	عاقبت	لیک ولے	لیکن	آخرش	آخر	دخت تاک	شراب
چشم	امید	عدو	غیر	زنجیری	زنجیر	پگاہ	صبح
طرف	طرفداری	برو	باہر	ہمسائیگاں	ہمسائے	بانکہ	بلبلِ حنا

بعض ان محاورات اور ترکیبوں کو بھی اس فہرست میں متروک قرار دیا گیا ہے جو فارسی محاورے کا لفظی ترجمہ ہیں اور اس وقت عام بول چال میں مستعمل تھے مثلاً "صبح تا شام" "طرح غنچہ" "سر کو فرو لانا" (فرود آوردن) خواب لے جانا (خواب بردن) شرح دینا (شرح دادن) قسمے کر پھول اسند صن" ناسخ کی اصلاحات کو ہندی بھاشا کی عداوت اور فارسی دوستی پر مبنی بتانا اسکے ساتھ انتہائی ناانصافی ہے۔ انھوں نے جہاں ہندی بھاشا کے نامانوس اور اجنبی الفاظ اور ترکیبوں کو متروک قرار دیا وہاں فارسی ترکیبیں اور بندشیں بھی اسی طرح نامناسب سمجھ کر چھوڑ دیں۔

لسانیات کے اعتبار سے ناسخ کی اصلاحات بہت اہم ہیں ان سے ناسخ کے لسانی مجرا در اصلاح کا اظہار ہوتا ہے (لسانی مسائل)

مولوی عبدالحق نے بھی لکھنؤ کی زبان پر فارسی کے غلبہ کا الزام لگایا ہے اور اس کا خوب مذاق اڑایا ہے وہ لکھتے ہیں :-

"جدت پسندی کے شوق میں لکھنؤ کے شاعروں اور ادیبوں نے ایسے مشکل اور ثقیل فارسی و عربی کے لفظ اپنے کلام میں داخل کرنے شروع کر دیئے تھے کہ عام فہم تو کیا خاص فہم بھی نہیں، اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اردو کے بہت سے ٹھیٹھ لفظ اور بول چال کے عام فہم محاورے عامیانہ قرار دیکر متروک کر دیئے گئے، یہ معیار شرافت و ثقاہت سمجھا جاتا تھا، تحریر ہی میں نہیں بات چیت میں بھی یہی شان پیدا ہو گئی تھی، اپنی علمیت جتانے کے لئے یہ لوگ عجیب طرح کی زبان بولنے لگے تھے، ایک زمانے میں یہاں ہائی کورٹ میں لکھنؤ کے ایک صاحب میر مجلس تھے

ایک دن میں یونہی ان سے ملنے گیا مزاج پوچھا تو فرمایا "صدر انصاب نوازل ہے"! غزل جس کی زبان سبک، فصیح اور عام فہم ہوتی ہے۔ وہ بھی اسکی زد سے نہ بچی اور اس میں بھی وہاں کے شاعروں نے ایسے ثقیل اور غیر مانوس عربی فارسی لفظ لکھنے شروع کر دیئے جو کسی طرح ان کی متحمل نہیں ہو سکتی، میں مثالیں پیش کر کے آپ کی سمع خراشی کرنا نہیں چاہتا اس کا اثر اب بھی کچھ نہ کچھ باقی ہے

مولوی صاحب لکھنؤ میں کچھ دن بھی نہیں رہے انھیں نہیں معلوم کہ لکھنؤ کی بول چال کیا ہے انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ لکھنؤ عربی علوم کا مرکز ہے پڑھا لکھا آدمی وہی سمجھا جاتا تھا جو عربی میں دستگاہ رکھتا ہو جیسے آج کل انگریزی ہے۔ لکھنؤ کے رہنے والے انگریزی دور میں بلکہ ہمارے زمانہ (۱۹۵۰ء) تک عربی علوم سے اپنے کو وابستہ کئے رہے انکے دماغ پر عربی علوم کی برتری کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ہر محلہ میں علماء اور اطبا کی درسگاہ میں تھیں معالجہ میں طب یونانی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اطباء امراض کے نام عربی میں بتاتے تھے وہی نام مریضوں کی زبان پر بھی تھے جیسے آج کل کے لوگ ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتے تھے تو وہ کہتے ہیں ڈائریا ہے۔ فلو ہے۔ ہارٹ اٹیک ہے گیسٹک ٹربل ہے یہی سب مریض بھی کہتے ہیں مگر شعر کی زبان اور ہے اور اس کو ان الفاظ سے کیا واسطہ آپ دیکھیں گے شعرائے لکھنؤ کا کلام ثقیل اور نامانوس عربی فارسی لفظوں اور ترکیبوں سے پاک ہے وہ سہل، شستہ اور عام فہم زبان میں شعر کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مودب صاحب نے ایک شعر میں ماحول نظم کیا اصلاح کے لیئے پیارے صاحب رشید کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے تعجب سے کہا کہ اتنا ثقیل لفظ تم نے نظم کر دیا اور اسے کاٹ دیا۔ اگر کسی کے پورے دیوان میں دو چار شعر ایسے مل جائیں جن میں ثقیل الفاظ ہوں

تو اس کو لکھنؤ کی زبان و شاعری کی خصوصیت کہنا اس سے اجنبیت کی دلیل ہے، آرزو صاحب نے ٹکسالی زبان کے عنوان سے اس موضوع پر ایک نہایت مفید مضمون لکھا تھا جس کا یہاں پیش کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس میں ادبی اور اصطلاحی الفاظ کے استعمال کے حدود معلوم ہوتے ہیں اور زبان میں حسن پیدا کرنے کے لیے اہل لکھنؤ کی محنتوں اور جانفشانیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ فقط

ذرہ ناچیز

(محمد باقر شمس)